کہاں میں اور کہاں یہ کیفِ ایمان — مرے اللہ تیری مہربانی

ایمان اور اُس کے تقاضے

تالیف

حضرت مولانا مفتی خالد سیف اللہ صاحب قاسمی دامت برکاتہم

شیخ الحدیث (ثانی) وناظم جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ

ناشر

شریفیہ بکڈپو گنگوہ ضلع سہارنپور یوپی (انڈیا)

تفصیلات

نام کتاب: ایمان اوراس کے تقاضے

نام مؤلف: حضرت مولانا مفتی خالد سیف اللہ صاحب قاسمی دامت برکاتہم
شیخ الحدیث وناظم جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ

صفحات: ۱۴۴/

اول ایڈیشن: ۱۴۲۳ھ

دوم ایڈیشن: ۱۴۲۹ھ

سوم ایڈیشن: ذیقعدہ ۱۴۳۲ھ مطابق ۲۰۱۱ء

تصحیح وتزئین: عبدالواجد رشیدی خادم تدریس جامعہ ہذا

قیمت: ۶۰/روپے

تعداد: ۱۱۰۰/

ناشر

شریفیہ بکڈپو گنگوہ ضلع سہارنپور یوپی (انڈیا)

پن کوڈ 247341

دعائیہ کلمات

جامع الاوصاف والکمالات محسن اعظم مربی عظیم

والد بزرگوار حضرت مولانا الحاج قاری شریف احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

بانی وناظم جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ

حامداً ومصلیاً

عزیز القدر مفتی خالد سیف اللہ سلمہٗ کی غالباً یہ ساتویں تالیف وتصنیف ہے، کتاب کے نام پر نظر پڑتے ہی ذہن میں آتا ہے کہ موصوف نے اللہ ورسول ﷺ کی وہ باتیں بیان کی ہیں جن سے ایمان کو پختگی اور روح کو تازگی میسر ہوگی۔

حق تعالیٰ شانہ اس کتاب کو مسلمین کیلئے مفید اور اپنی رضامندی کا سبب بنا کر والدین کے لئے توشۂ آخرت بنائے اور مزید تالیف وتصنیف کی پوری پوری توفیق عطا فرمائے آمین، فقط۔

احقر شریف احمد

خادم جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ

انتساب

مؤلف اپنی اس تالیف کوحضرات صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی طرف منسوب کرنا باعث سعادت تصور کرتا ہے جنہوں نے ایمان کے تقاضوں کو سمجھا اور پورے طور پران کا حق اداء کیا، اسی وجہ سے ''رضی اللہ عنھم ورضوا عنه'' کا مژدۂ جاں فزاء ان کو حاصل ہوا۔

اللہ پاک ہمیں ان کے اتباع کی توفیق بخشے تاکہ ہم کو بھی اللہ جل شانہ کی رضاء مندی حاصل ہوجائے جو سب سے بڑی نعمت ہے جیسا کہ اللہ پاک نے فرمایا ہے ''ورضوان من الله اكبر'' اللہ پاک کی خوشنودی سب سے بڑی شئی ہے۔

خالد سیف اللہ عفا اللہ عنہ

خادم جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ

حمد باری

نام تیرا میرے دل کی ہے دوا

حمد تیری اے خدائے لم یزل — ہے یہ اپنی زندگی کا ماحصل
تو ہی خالق ہے تو ہی خلاق ہے — تو ہی رب انفس و آفاق ہے
تیری قدرت کی نہیں کچھ انتہا — شکر تیرا کیا کسی سے ہو ادا
یا علیم یا سمیع یا بصیر — تو ہی قادر اور تو ہی ہے خبیر
نام تیرا میرے دل کی ہے دوا — ذکر تیرا روح کی میری شفاء
یہ زمین و آسماں ، شمس و قمر — دیتے ہیں سب ذات کی تیری خبر
تو ہی ہے مقصود تو ہی ہے مدعا — جان ودل کرتا ہون میں تجھ پر فدا
کید سے شیطان کے یارب مجھ کو چھڑا — اور شرورِ نفس سے مجھ کو بچا

یا الٰہی مجھ کو اب اپنا بنا
کرلے تو مقبول احمد کی دعا

گذارش اولیں

لفظ ایمان جس قدر مشہور ومعروف اور زبان زد ہے اس کا مقتضی تو یہ تھا کہ اس کی اہمیت وعظمت اتنی ہی زیزدہ ہوتی اور اس کے تقاضوں کو خوب سمجھا جاتا اور عمل کیا جاتا، تا کہ پورا معاشرہ پورا ملک بلکہ پوری دنیا اس کی برکتوں سے جنت نشاں بن جاتی، ہر جگہ امن وامان کا دور دورہ ہوتا ہر ایک کے حقوق ادا ہوتے، ہر شخص خوش ہوتا اور اپنے خالق ومالک کی اطاعت وعبادت میں لگ جاتا جو منشاء ربانی ہے اور دائمی فوز وکامرانی کا مستحق قرار پاتا۔ دنیا میں بھی لطف کی زندگی گذارتا اور آخرت میں بھی عیشہ راضیہ مرضیہ پاتا جو ایمان اور اس کے تقاضوں پر عمل کرنے پر موقوف ہے۔

اس وجہ سے ناکارہ کے قلب میں بڑی شدت سے یہ داعیہ پیدا ہوا کہ ایمان کے سلسلہ میں چند آیات واحادیث پیش کروں کہ تمام آیات واحادیث وغیرہ کا استیعاب تو مشکل ہے، خداوند تعالیٰ سے امید ہے کہ سمجھ دار انسان کے لئے یہ اشارے کافی ہوجائیں گے اور جس کا ارادہ صراط مستقیم پر چلنے کا نہ ہو اس کے لئے دفتر کے دفتر بیکار ہیں۔ اللہ پاک ہمیں ان

ایمان کسے کہتے ہیں؟

ایمان کی تعریف

لغت میں کسی کی بات اس کے اعتماد پر یقینی طور پر مان لینے کا نام ایمان ہے، اس لئے محسوسات اور مشاہدات میں کسی کے قول کی تصدیق کرنے کو ایمان نہیں کہتے، مثلاً کوئی شخص سفید کپڑے کو سفید یا سیاہ کو سیاہ کہہ رہا ہے اور دوسرا اس کی تصدیق کر رہا ہے اس کو تصدیق تو کہتے ہیں مگر ایمان لانا نہیں کہیں گے، کیونکہ اس تصدیق میں قائل کے اعتماد کو دخل نہیں بلکہ تصدیق مشاہدہ کی بنا پر ہے۔

اور اصطلاحِ شریعت میں خبرِ رسول ﷺ کو بغیر مشاہدہ کے محض رسول کے اعتماد پر یقینی طور پر مان لینے کا نام ایمان ہے، محض جاننے کا نام ایمان نہیں ہے، کیونکہ جاننے والے تو ابلیس وشیطان اور یہود ونصاریٰ وکفار ومنافقین بھی تھے مگر وہ محض جاننے کی وجہ سے ایمان والے نہیں کہلائے گئے ہیں۔

ایمان واسلام میں فرق

ایمان دل کی گہرائی سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو ماننے کا نام ہے اور اسلام اس کے مطابق فرمانبرداری کرنے کا نام ہے، ایمان کا محل قلب ہے اور اسلام کا محل بھی قلب ہے اور سب اعضاء وجوارح بھی، لیکن شرعاً ایمان بغیر اسلام کے اور اسلام بغیر ایمان کے معتبر نہیں، یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کریم ﷺ کی محض دل میں تصدیق کر لینا شرعاً اس وقت تک معتبر نہیں ہے جب تک کہ زبان سے اس تصدیق کا اظہار اور اطاعت وفرمانبرداری کا اقرار نہ کرے، اسی طرح زبان سے تصدیق کا اظہار یا فرمانبرداری کا اقرار اس وقت تک معتبر نہیں ہے جب تک کہ دل میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی تصدیق نہ ہو۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ لغت کے اعتبار سے ایمان واسلام الگ الگ مفہوم رکھتے ہیں اور قرآن وحدیث میں اس لغوی مفہوم کی بنا پر ایمان اور اسلام میں فرق کا ذکر بھی ہے مگر شرعاً ایمان بدونِ اسلام اور اسلام بدونِ ایمان معتبر نہیں ہے، نیز جب اسلام یعنی ظاہری اقرار وفرمانبرداری کے ساتھ دل میں ایمان نہ ہو تو اس کو قرآن کی اصطلاح میں نفاق کہا جاتا ہے اور یہ کھلے کفر سے زیادہ شدید جرم ٹھہرایا گیا ہے، کیونکہ اللہ پاک کا ارشاد

ہے کہ منافقین جہنم کے سب سے نیچے طبقے میں رہیں گے۔

حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ فرماتے ہیں: ایمان اور اسلام کی مسافت ایک ہے، فرق صرف ابتداء اور انتہاء کا ہے، یعنی ایمان قلب سے شروع ہوتا ہے اور ظاہر پر پہنچ کر مکمل ہوتا ہے اور اسلام ظاہر عمل سے شروع ہوتا ہے اور قلب پر پہنچکر مکمل سمجھا جاتا ہے دونوں ایک دوسرے کے بغیر معتبر نہیں ہیں (ماخوذ از معارف القرآن)۔

حضرت امام بیہقیؒ شعب الایمان میں فرماتے ہیں: کہ ایمان امن سے ماخوذ ہے، امن خوف کی ضد ہے جیسا کہ اللہ پاک نے ارشاد فرمایا: فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالاً اَوْرُكْبَاناً فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ الآية (سورۂ بقرہ/آیت ۲۳۹) ترجمہ: اگر تم خوف کی حالت میں ہو تو پیدل اور سوار جس طرح موقع ہو (نماز پڑھ لیا کرو) اور اگر امن وسکون، اطمینان وقرار کی حالت میں ہو تو اللہ پاک کو طریقہ اور ضابطہ سے یاد کرو، یہاں آیت میں امن اور خوف تقابل کے ساتھ مذکور ہوئے ہیں، اصل میں ایمان نام ہے کسی چیز کی دل سے تصدیق کرنے کا اور اسلام نام ہے اطاعت وفرمانبرداری کا، ایمان کے مفہوم ومراد میں دل کی تصدیق کے ساتھ زبان سے اقرار واعتراف کرنا بھی شامل ہے، چنانچہ اللہ پاک نے فرمایا: **قُوْلُوْا آمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآاُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَا اُنْزِلَ اِلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَاِسْمَاعِيْلَ وَاِسْحَاقَ** (پارہ ۱/آیت ۱۳۶) ترجمہ: اے لوگوں زبان سے اعتراف واقرار کرو کہ ہم ایمان لاتے ہیں اللہ پر اور ان تمام باتوں پر جو ابراہیم، اسماعیل اور اسحاقؑ پر اتاری گئی ہیں۔

تشریح: یہاں اللہ عزوجل نے مؤمنین کو ایمان کے زبانی اظہار واعتراف کا حکم فرمایا ہے مگر خالی زبان سے اظہار واعتراف بھی کافی نہیں ہے جب تک کہ دل کی گہرائی سے تصدیق نہ پائی جائے، چنانچہ اللہ پاک نے ارشاد فرمایا: **قَالَتِ الْاَعْرَابُ آمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوا وَلٰكِنْ قُوْلُوا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ** (الحجرات آیت ۱۴)۔ ترجمہ: دیہاتی لوگ آ کر کہنے لگے کہ ہم تو اللہ پاک پر ایمان لا چکے ہیں آپ کہہ دیجئے کہ جب تک ایمان تمہارے دل کی گہرائیوں میں نہ اتر جائے تب تک تم اس طرح نہ کہو بلکہ یہ کہو کہ ہم ظاہری طور پر مان چکے ہیں اور ابھی نہیں داخل ہوا ایمان تمہارے دلوں میں۔

تشریح: معلوم ہوا کہ خالی وہ بات جس میں دل کی تصدیق شامل نہ ہو اعتقاد مضبوط نہ ہو ایمان نہیں، ایمان کی کیفیت جب حاصل ہوگی جبکہ دل میں اور زبان پر دونوں سے ایمان پایا جائے گا، احادیث شریفہ سے بھی یہی بات ثابت ہوتی ہے جو آیات سے ثابت ہوئی ہے، فرمانِ رسول اللہ ﷺ ہے: **امرت ان اقاتل الناس حتیٰ یقولوا لا الٰہ الا اللہ فاذا قالو ا منعوا دمائھم واموالھم الا بحقھا وحسابھم علی اللہ عزوجل۔**

ترجمہ: اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے جہاد وقتال کرتا رہوں یہاں تک کہ وہ توحید کے قائل ہو جائیں اور دل کی تصدیق کے ساتھ زبان سے اللہ پاک کی وحدانیت کا اعتراف واقرار کرنے لگیں، جب وہ ایسا کریں گے تو ان کی جان انکا مال محفوظ ہو جائے گا، مگر یہ کہ پھر کوئی ایسی بات پیش آئے جس سے جان چلی جائے جیسا قصاص وغیرہ کا معاملہ ہے کہ انہوں نے ناحق کسی کو قتل کر دیا ہو جس کے بدلہ میں اس کو قتل کیا جائے یا نکاح کے بعد زنا کر لیا ہو جس میں اس کو سنگسار کر دیا جائے۔

نیز فرمایا رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے تم جاؤ اور جو دل سے اللہ پاک کے ایک ہونے کا اعتراف واقرار کرتا ہے اس کو جنت کی بشارت سنادو، نیز فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ جو شخص کلمۂ طیبہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ﷺ کا اعتراف دل سے کرتا ہو اور گواہی دیتا ہو پھر وہ انتقال کر گیا تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔

باب دوم

ایمان قرآن کی روشنی میں

غیب پر ایمان لانا ضروری ہے، اللہ پاک کا ارشادِ عالی ہے: **الذین یؤمنون بالغیب** (بقرہ) ترجمہ: متقی وہ حضرات ہیں جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں۔

تشریح: یعنی متقی و پرہیزگار کیلئے پہلے ایمان بالغیب ضروری ہے بعد میں اعمالِ صالحہ مثلاً نماز قائم کرنا، زکوٰۃ دینا اور دیگر ارکان ضروری ہیں تب ایمان مکمل ہوگا، یہاں غیب سے مراد بقول حضرت قتادہؒ جنت، جہنم، بعث بعد الموت (مرنے کے بعد زندہ ہونا) اور قیامت کا دن ہے ان سب پر ایمان لانا ضروری ہے، حضرت ابوالعالیہؒ نے فرمایا مطلب یہ ہے کہ اللہ پاک پر، فرشتوں، اللہ پاک کی نازل کردہ کتابوں، رسولوں، جنت وجہنم، قیامت کے دن اللہ پاک کی ملاقات پر، مرنے کے بعد زندہ ہونے پر ایمان کامل رکھتے ہیں، اور زجاجؒ نے فرمایا کہ وہ تمام اشیاء اس میں آگئی ہیں جن کی حضرت نبی کریم ﷺ نے خبر دی اور وہ نظروں سے اوجھل اور غائب ہیں، جیسے عذاب قبر، حشر، نشر، پُل صراط، میزان وغیرہ (کذا فی الوسیط رج ارص ۸۰)۔

حضرت علامہ ابوحیان اندلسیؒ نے البحر المحیط رص ۱۶۴رج ارمیں بعض علماء سے غیب کی تفسیر قضاء وقدر سے بھی نقل کی ہے یعنی تقدیر میں جو لکھا ہے اللہ تعالیٰ نے جو فیصلے فرما رکھے ہیں ان سب پر ایمان رکھے۔

قرآن کریم اور پہلی کتابوں پر بھی ایمان ضروری ہے

اللہ پاک کا ارشاد عالی ہے: **والذین یؤمنون بمآ انزل الیک ومآ انزل من قبلک وبالآخرۃ ھم یوقنون** (بقرہ) ترجمہ: اور وہ لوگ جو ایمان رکھتے ہیں اس کتاب پر جو اتاری گئی ہے آپ ﷺ پر اور ان کتابوں پر بھی جو آپ ﷺ سے پہلے اتاری گئی ہیں اور وہ آخرت پر مکمل یقین رکھتے ہیں۔

تشریح: معلوم ہوا کہ قرآن پاک پر مکمل طور سے ایمان لانا ضروری ہے یعنی اس کے ایک ایک حرف کی تصدیق کرے کہ یہ سب من جانب اللہ ہے، توریت، انجیل، زبور پر بھی ایمان رکھے کہ یہ کتابیں بھی اللہ پاک کی طرف سے پہلے انبیاءؑ پر نازل ہوئی تھیں اگرچہ اس وقت ان پر عمل نہیں کیا جاسکتا ہے، کیونکہ قرآن پاک کے آنے کے بعد اب ان کی ضرورت ختم ہوگئی ہے وہ قابلِ عمل نہیں رہ گئی ہیں نہ ہمارے لئے اور نہ کسی دوسری قوم کیلئے، اب سب کیلئے اللہ پاک کے آخری پیغام قرآن کریم پر عمل نجات اور فلاح کے لئے لازم وضروری قرار دیا گیا ہے اور آخرت پر پورا یقین رکھتے ہیں بغیر قیامت اور مرنے کے بعد زندہ ہونے پر ایمان ویقین رکھے ایمان ناقص ہے، یقین ہوگا تو ایمان مکمل ہوگا جتنا یقین زائد ہوگا اتنا ہی ایمان مضبوط ہوگا، بہرحال آیت میں ایمان، اعمالِ صالحہ اور یقین کا اجمالی خاکہ آگیا ہے۔

محض زبان سے ایمان کا اظہار کافی نہیں ہے

اللہ پاک کا ارشاد عالی ہے: **ومن الناس من یقول اٰمنا باللہ وبالیوم الاٰخر وما ھم بمؤمنین** (بقرہ) ترجمہ: اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں کہ محض زبان سے کہتے ہیں کہ ہم اللہ پاک اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں حالانکہ حقیقت میں وہ ایمان والے نہیں ہیں۔

تشریح: کیونکہ ان کا یہ کہنا کہ ہم اللہ پاک اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں محض زبان سے ہے اور وہ بھی دھوکہ دینے کے لئے ہے حالانکہ جب تک دل کی گہرائی میں ایمان نہ اتر جائے تب تک ایمان والے کیسے ہوسکتے ہیں اس وجہ سے ایمان تو کہتے ہیں دل سے

تصدیق کرنے کو اور پھر اعمال صالحہ سے اس کا اظہار اور زبان سے اعتراف واقرار کرنا یہ سب باتیں ہونگی تب ایمان کی سچائی ظاہر ہوگی۔

ان مذکورہ آیات میں منافقین کا تذکرہ ہے سورۂ بقرہ کی شروع کی آیات میں مخلص ایمان والوں کا تذکرہ ہے پھر کفار کا ذکر ہے اور من الناس سے منافقین کا تذکرہ ہے جو ایک تیسرا گروہ تھا ظاہر میں مسلمانوں کے ساتھ اور باطن میں کفار کے ساتھ ان کا تعلق تھا حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے معلوم کیا گیا کہ نفاق کیا چیز ہے؟ فرمایا کہ نفاق یہ ہے کہ زبان پر اسلام ہو اور عمل اس کے خلاف ہو، پھر منافقین کی بُری عادتیں بتائی گئی ہیں کہ وہ سب حرکتیں ایمان والوں کو دھوکہ دینے کے لئے کرتے ہیں ان کے دلوں میں کفر اور شرک اور شک کی بیماریاں ہیں اور جھوٹ بولتے ہیں اور فساد کرتے ہیں اور ایمان والوں کو بیوقوف قرار دیتے ہیں اپنے کو بہت عقلمند اور دانشمند سمجھتے ہیں ایمان والوں کا مذاق اور استہزا بھی کرتے ہیں جس سے ان کی توہین ہوتی ہے، اللہ پاک ان سب کو ان سب باتوں پر عذاب دیں گے۔

کچھ علامتیں منافق کی حدیث پاک میں بتائی گئی ہیں

چنانچہ حدیث نبوی ﷺ ہے: **آیۃ المنافق ثلاث اذاحدث کذب واذا وعداخلف واذاائتمن خان**، جب بات کرے تو جھوٹ بولے اور جب وعدہ کرے تو اس کے خلاف کرے یعنی اس کو پورا نہ کرے اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے، ان باتوں پر ایمان والوں کو غور وفکر کرنا چاہئے کہ یہ منافقین کی عادتیں ہمارے اندر تو نہیں ہیں اگر نہیں ہیں تو اللہ پاک کا شکر ادا کریں اور اگر یہ باتیں ہمارے اندر موجود ہیں تو ان سے پاک وصاف ہونے کی کوشش اور محنت کریں۔

نفاق سے ڈرنے اور بچنے کی بہت سخت ضرورت ہے خواہ وہ اعتقادی نفاق ہو یا عملی

نفاق ہو دونوں طرح کا نفاق خطرناک شئ ہے خدا کی پناہ! نفاق اعتقادی یہ ہے کہ اس کے ایمان میں ہی کمزوری اور شک کی کیفیت ہو خواہ وہ اغیار اسلام کے پاس بیٹھنے کی وجہ سے ہو یا مرعوب ذہنیت رکھنے والوں کی کتابوں کے پڑھنے اور سننے سے ہو، اور نفاق عملی یہ ہے کہ فسق وفجور یعنی خلاف شریعت کاموں میں مبتلا ہو اللہ سبحانہ وتعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی تمام باتوں میں اطاعت نہ کرتا ہو جہاں نفس کے مطابق ہو مان لیا اور جہاں نفس کے خلاف ہو چھوڑ دیا یہ نفاق کا طرز ہے۔

صحابہ کرامؓ جیسا ایمان مطلوب ہے

اللہ پاک کا ارشاد عالی ہے: **واذاقیل لھم اٰمنوا کما اٰمن الناس قالوا أنؤمن کمآ اٰمن السفھآء الآ انھم ھم السفھآء ولکن لا یعلمون** (بقرہ) ترجمہ: اور جب ان سے (منافقین سے) کہا جاتا ہے کہ ایمان لاؤ جیسا کہ مخلص لوگ (صحابہؓ) ایمان لائے ہیں تو وہ کہتے ہیں کیا ہم بھی ایمان لائیں جیسا کہ یہ بے وقوف ایمان لائے ہیں؟ خبردار یہی بے وقوف لوگ ہیں لیکن ان کو معلوم نہیں ہے۔

تشریح: تمام مفسرین کا اتفاق ہے کہ اس آیت کریمہ میں ''الناس'' سے حضرات صحابہ کرام مہاجرین وانصارؓ مراد ہیں (کذا فی الوسیط ج ۱ ص ۸۹) معلوم ہوا کہ حضرات صحابہ کرامؓ جیسا ایمان مطلوب ہے اور وہ حضرات معیار کامل ہیں تب ہی تو ان کا تذکرہ فرمایا گیا ہے اور ان جیسے ایمان کا مطالبہ کیا جارہا ہے اور یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ صحابہ کرامؓ کو بے وقوف کہنے والا خود بے وقوف اور جاہل ہے، قرآن پاک کی نظر میں یعنی اللہ پاک کے نزدیک اس کا کوئی اعتبار نہیں یہاں تک کہ وہ توبہ کرلے۔

سب ایک خالق تعالیٰ کی عبادت کرو

اللہ پاک کا ارشاد عالی ہے: یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ فِرَاشاً وَّالسَّمَآءَ بِنَاءً وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقاً لَّکُمْ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَاداً وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (سورۂ بقرہ آیت۲۲/رکوع ۳)۔

ترجمہ: اے انسانوں عبادت کرو اپنے رب کی جس نے تم کو پیدا کیا ہے اور ان لوگوں کو جو تم سے پہلے گزرے ہیں تاکہ تم اچھے انسان بن جاؤ، وہ ذات پاک جس نے تمہارے لئے زمین کو بستر (آرام کرنے کی جگہ) بنایا اور آسمان کو چھت بنایا پھر آسمان سے بارش اتاری اس سے تمہارے کھانے کے لئے پھل پیدا کئے لہٰذا تم اس کے ساتھ کسی اور کو عبادت میں شریک نہ کرو اور تم جانتے بھی ہو۔

امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ باری تعالیٰ نے پانچ دلائل سے اپنی عبادت کرنے کو مدلل فرمایا ہے: (۱) تمہاری پیدائش کی (۲) تمہارے آباء واجداد کی پیدائش کی (۳) زمین کو بستر بنایا (۴) آسمان کو چھت بنایا (۵) پھل وغیرہ تمہارے کھانے کے لئے پیدا فرمائے، جس کا شکریہ ہے کہ خالص اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عبادت ہی کرو ان کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔

ایمان اور اعمال صالحہ کرنے والوں کے لئے بشارت

اللہ پاک کا ارشاد علی ہے: وبشر الذین اٰمنوا وعملوا الصالحات ان لھم جنت تجری من تحتھا الانھار کُلّما رزقوا منھا من ثمرۃ رزقا قالوا ھذا الذین رزقنا من قبل واتوا بہ متشابھا ولھم فیھا ازواج مطھرۃ وھم فیھا خالدون (سورۂ بقرہ آیۃ ۲۵)۔

ترجمہ: اور اے ہمارے حبیب محمد ﷺ آپ بشارت سنادو ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور اچھے اعمال کرتے ہیں کہ ان کے لئے ایسے باغات ہوں گے جن کے نیچے سے نہریں جاری ہوں گی اور جب ان کو پھل کھانے کے لئے دئے جائیں گے وہ کہیں گے اس سے پہلے بھی ایسے ہی پھل ملے تھے اور ان کو ایک جیسے پھل ملیں گے اور وہ جنت میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

تشریح: ان آیات مبارکہ میں بڑی بشارت ہے اعمال صالحہ کرنے والوں کے لئے جنت میں دوام وخلود اور ہر قسم کی نعمتیں جن کا تصور دنیا میں بادشاہوں اور نوابوں کو بھی نہیں ہوسکتا ہے وہ ادنیٰ سے ادنیٰ جنتی کو حاصل ہوں گی ایمان اور اچھے اعمال کی برکت سے شاندار باغات ہوں گے اور محلات عجیب وغریب طرز کے ان کے نیچے سے نہریں جاری ہوں گی اور خوبصورت ازواج ہوں گی انتہائی خوبصورت حیاء دار بھی وفا شعار بھی اور حیض ونفاس اور دیگر گندگیوں سے پاک وصاف بھی۔

جو بھی ایمان اور اعمال صالحہ اختیار کرے گا اس کو کامیابی ملے گی

اللہ پاک کا ارشاد عالی ہے: ان الذین اٰمنوا والذین ھادوا والنصریٰ والصابئین من اٰمن باللہ والیوم الاٰخر وعمل صالحا فلھم اجرھم عند ربھم ولا خوف علیھم ولا ھم یحزنون (سورۂ بقرہ ۶۲)۔

ترجمہ: بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں اور (چاہے یہودی ہوں یا عیسائی یا ستارہ پرست لوگ اور فرشتوں کو ماننے والوں) میں سے جو بھی اللہ پاک پر ایمان لائے گا اور قیامت کے دن کو مانے گا اور اچھے کام کرے گا تو ان کے لئے ان کے رب کے پاس اجر وثواب ہوگا او رانکو نہ خوف ہوگا اور وہ نہ غم زدہ ہوں گے۔

تشریح: اس آیت پاک میں تمام اقوام کو ایمان کی دعوت ہے اور یہ بتایا ہے کہ جو

بھی اللہ تعالیٰ اوراس کے رسول ﷺ کی اتباع کرے گا اس کے لئے بہترین اجروثواب ہوگا اورآخرت میں بلاخوف اور بلاحزن جنت ملے گی امن باللہ میں ایمان حقیقی مراد ہے اوروہ تب ہوگا کہ رسول ﷺ کو اپنا رسول اور مقتداء تسلیم کرے نیز عمل بھی عمل صالح تبھی ہوگا جبکہ آپ ﷺ پر ایمان ہوگا اور وہ عمل سنت مطہرہ کے موافق ہوگا (کذافی الوسیط رص۱۵۰رج۱)۔

بہر حال دنیا کا کوئی انسان ہواس کی کامیابی اللہ اوران کے رسول ﷺ کی اتباع میں منحصر ہے اورایسے لوگوں کا ایمان معتبر نہیں ہے جوصرف ان پہلی کتابوں پر ایمان رکھیں اوراسلام اوررسول مقبول ﷺ پر ایمان نہ لائیں یہ ایمان نہیں ہے بلکہ ضد اورعناد کا راستہ ہے اس لئے ان پر شدید عذاب ہوگا، ہاں رسول اکرم ﷺ کی دنیا میں تشریف آوری سے پہلے اپنی اپنی کتابوں پر ایمان اوران کے مطابق عمل نجات کے لئے کافی تھا مگر آپ ﷺ کی تشریف آوری کے بعد عنداللہ نجات کا راستہ صرف اسلام ہی میں ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ان الدین عنداللہ الاسلام، بے شک پسندیدہ دین اللہ پاک کے یہاں اسلام ہی ہے یعنی جواس پر قائم ہووہ ہی اللہ پاک کے یہاں پسندیدہ ہوگا ورنہ نہیں۔

دوغلی پالیسی اللہ کے یہاں نہیں چلے گی

اللہ پاک کا ارشاد عالی ہے: واذالقوا الذین امنوا قالوآ امنا واذ خلا بعضھم الیٰ بعض قالو اا تحدثونھم بما فتح اللہ علیکم لیحاجوکم به عند ربکم افلا تعقلون ، اولا یعلمون ان اللہ یعلم مایسرون وما یعلنون (سورۂ بقرہ)۔

ترجمہ: اورجب وہ ملاقات کرتے ہیں ایمان والوں سے تو ان کے سامنے ایمان کا اظہار کرتے ہیں اور جب وہ اپنے ہم خیال دوستوں کے پاس جاتے ہیں تو ان سے کہتے ہیں یہ تم کیا کررہے ہو تم ان سے وہ باتیں کہتے ہو جو اللہ پاک نے تم پر کھولی ہیں ایسا نہ کروورنہ یہ لوگ تم سے قیامت میں جھگڑا کریں گے تمہارے رب کے پاس کیا تم سمجھتے ہوکیا یہ نہیں جانتے کہ بیشک باری تعالیٰ جانتے ہیں ان تمام باتوں کو جو چھپاتے ہیں اور ظاہر کرتے ہیں۔

تشریح: تفسیر وسیط میں ہے جو علامہ واحدی نیشاپوریؒ کی تالیف ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ اور حضرت حسنؒ اور حضرت قتادہؒ یعنی کبار مفسرین نے فرمایا کہ یہاں منافق اور یہودی مراد ہیں جب وہ ایمان والے یعنی صحابہ کرامؓ سے ملاقات کرتے تھے کیونکہ مدینہ طیبہ میں سب ساتھ میں رہتے تھے اور ایک دوسرے سے کام بھی پڑتا تھا تو ملنے جلنے کی نوبت آتی تھی تو اس وقت یہ کہتے تھے کہ تمہارے نبی کو ہم بھی سچا نبی مانتے ہیں اور ہماری کتابوں میں بھی تمہارے نبی کے اوصاف اور کمالات مذکور ہیں، پھر جب اپنے لیڈر شیطانوں کے پاس جاتے تھے تو وہ ان کو ڈانٹتے تھے اور منع کرتے کہ ان باتوں کا اظہار کیوں کرتے ہو اس سے وہ تمہارے خلاف دلیل وحجت قائم کردیں گے کہ تم ہمارے سامنے اقرار کرنے کے باوجود نبی ﷺ کا اتباع نہیں کرتے تھے کیا یہ باتیں صرف ہمیں خوش کرنے کے لئے کرتے تھے اللہ پاک فرماتے ہیں کیا یہ لوگ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ پر ان کے سب رازعیاں اور فاش ہیں وہاں کوئی بات پوشیدہ نہیں ہے لہذا ان کو ایسا نہ کرنا چاہئے تھا۔

بنی اسرائیل کی ایک اورخباثت، توریت کے علاوہ کتابوں کا انکار

ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَإِذَاقِیلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوا نُؤْمِنُ بِمَا اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَيَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآئَهُ وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقاًلِّمَا مَعَهُمْ قُلْ فَلِمَ

تَقۡتُلُوۡنَ ام نۡبِيَآءَ اللّٰهِ مِنۡ قَبۡلُ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ (سورۂ بقرہ)۔

ترجمہ: اور جب ان یہودیوں سے کہا جاتا ہے کہ ایمان لاؤ اس پر جو اللہ پاک نے نازل فرمایا ہے یعنی قرآن کریم، تو کہتے تھے کہ ہم تو اس پر ایمان رکھتے ہیں جو ہماری طرف کتاب اتاری گئی ہے یعنی توریت اور دوسری چیزوں کا کفر وانکار کرتے ہیں جو توریت کے بعد ہیں (انجیل اور قرآن) حالانکہ وہ تصدیق کرنے والی کتابیں ہیں اس کتاب کی جو ان کے پاس (توریت) ہے، آپ ﷺ فرمادیجئے کہ پھر تم نے انبیاءؑ کو کیوں قتل کیا اس سے پہلے اگر واقعی ایمان لانے والے تھے۔

تشریح: یعنی تصدیق کرنے والی کتابوں کا انکار جو توریت کا انکار ہے پھر اگر تمہارا ایمان توریت پر ہی تھا تو تم پہلے انبیاءؑ کو کیوں قتل کرتے تھے؟ کیا تمہاری کتاب نے تم کو نبیوں کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا؟ کس کتاب اور کس نبی نے تمہیں یہ تعلیم دی تھی؟ یہ خطاب اگرچہ ان یہودیوں سے ہے جو نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں تھے اور ان جرائم کا ارتکاب ان کے آباء واجداد کرتے تھے مگر چونکہ یہ بھی ان کے افعال وکردار سے خوش تھے اس لئے جرم میں یہ بھی شریک ہوگئے، جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جب دنیا میں کوئی گناہ کا کام ہوتا ہے جو اس پر انکار کرتا ہے وہ اس سے بَری ہوتا ہے اور جو اس سے راضی وخوش ہوجاتا ہے شریک نہ بھی ہو تب بھی گناہ میں شریک وملوث ہوتا ہے (کذا فی الوسیط رص ۱۷۵ رج ۱)۔

اہل کتاب کو ایمان اور تقویٰ کی دعوت

ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَلَوۡ اَنَّهُمۡ اٰمَنُوۡا وَاتَّقَوۡا لَمَثُوۡبَةٌ مِّنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ خَيۡرٌ لَّوۡ كَانُوۡا يَعۡلَمُوۡنَ (سورہ بقرہ)۔ ترجمہ: کاش یہ لوگ اہل کتاب ایمان لاتے اور پرہیزگاری اختیار کرتے تو اللہ پاک کے یہاں جو جزائے خیر اور ثواب وبدلہ ان کو ملتا وہ بہت بہتر تھا کاش یہ لوگ جانتے۔

تشریح: ان آیات میں اہل کتاب کو ایمان اور تقویٰ کی دعوت دینا مقصود ہے اور یہ مضمون بہت سی آیات میں آیا ہے مگر یہ ایسے خبیث نکلے کہ خود ایمان وتقویٰ پر آنے کے بجائے ایمان والوں ہی کو ایمان اور تقویٰ سے ہٹانے کی سازشیں کرتے ہیں تاکہ وہ بھی گمراہ ہوجائیں، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَدَّ كَثِيۡرٌ مِّنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ لَوۡ يَرُدُّوۡنَكُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ اِيۡمَانِكُمۡ كُفَّارًا حَسَدًا مِّنۡ عِنۡدِ اَنۡفُسِهِمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الۡحَـقُّ فَاعۡفُوۡا وَاصۡفَحُوۡا حَتّٰى يَاۡتِىَ اللّٰهُ بِاَمۡرِهٖ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ (سورۂ بقرہ)۔

ترجمہ: بہت سے اہل کتاب (یہودی وعیسائی) یہ چاہتے ہیں کہ تم کو (ایمان والو) تمہارے ایمان لانے کے بعد کافر بنادیں یہ سب اس حسد وجلن کی وجہ سے ہے (جو ان کے دلوں میں ہے) بعد اس کے کہ حق ظاہر ہوچکا ہے، لہٰذا تم ان کو معاف کردو اور درگذر سے کام لو یہاں تک کہ اللہ پاک اپنا حکم ان کے بارے میں نافذ کردیں، بے شک باری تعالیٰ ہر چیز پر مکمل قدرت رکھتے ہیں۔

تشریح: حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ یہود کے ایک گروہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے جنہوں نے غزوۂ اُحد کے بعد جس میں مسلمانوں کو تکلیف اور چوٹ پہنچی تھی یہ کہا کہ اگر تم لوگ حق پر ہوتے تو تم کو یہ پریشانیاں تکلیف اور چوٹ نہ لگتی لہٰذا تم ہمارے دین کی طرف لوٹ آؤ یہ تمہارے لئے بہتر ہے۔

حالانکہ یہ غلط ہے یہودی مذہب اسلام سے کسی طرح خیر وبہتر نہیں ہوسکتا ہے اسلامی تعلیمات، آداب، اخلاق کے مقابلہ دنیا کی کوئی تہذیب اور کوئی تعلیم اور کوئی مذہب نہیں ہے اور

نہ آسکتا ہے یہ باتیں یہ لوگ بھی جانتے ہیں مگر صرف حسد ہے لہذا تم ان سے درگذر کرو اور حلم وبردباری سے کام لو، ان کے بارے میں اللہ پاک کا فیصلہ عنقریب ہونے والا ہے، چنانچہ کچھ ہی دن کے بعد بنونضیر شیطان یہودیوں کو جلاوطن کرنے اور بنوقریظہ جیسے خبیث یہودیوں کو قتل کرنے کا حکم نازل ہوا، اور خیبر وفدک جوان کے مرکز تھے فتح ہوئے، اور اللہ پاک نے پورے علاقہ میں اپنے فضل وکرم سے اسلامی احکام نافذ کردئے اور اسلام کا نور چمکنے لگا۔

ایک اور جگہ اللہ پاک نے فرمایا کہ یہودی وعیسائی تم کو گمراہ کرنا چاہتے ہیں فرمایا:
وَدَّتْ طَآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ (ال عمران)۔ ترجمہ: اہل کتاب کی ایک جماعت یہ چاہتی ہے کہ تم کو گمراہ کردیں حالانکہ یہ خود اپنے آپ ہی کو گمراہ کررہے ہیں اور ان کو اس کا شعور واحساس بھی نہیں ہے۔

اِسلام اور احسان پر بشارت

ارشاد باری تعالیٰ ہے: بَلٰى مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (سورۂ بقرہ)۔

ترجمہ: ضرور جو بھی اپنا رخ اللہ پاک کی طرف کرے گا اس حال میں کہ وہ مخلص ہو تو اس کا ثواب اپنے پروردگار کے پاس پاویگا اور ایسے لوگوں پر نہ خوف ہوگا قیامت میں اور نہ وہ مغموم ہونگے۔

تشریح: اس آیت کریمہ میں احسان اور اسلام کا ساتھ ساتھ تذکرہ ہے اور اس پر بشارت دی گئی ہے، اسلام نام ہے رب العزت والجلال کی اطاعت وفرمانبرداری کرنے کا، حدیث جبرئیل میں ہے کہ حضرت جبرئیلؑ نے آقائے نامدار رسول اکرم ﷺ سے معلوم کیا کہ

اسلام کیا چیز ہے؟ فرمایا کہ تم اس بات کی گواہی دو کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے اور اس بات کی کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، اور نماز قائم کرو، زکوۃ دو، حج کرو، رمضان المبارک کے روزے رکھو، ایک دوسری روایت میں فرمایا حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ: اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے، اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے علاوہ دوسرا کوئی لائق عبادت نہیں ہے اور یہ کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، نماز قائم کرنا، زکوۃ دینا، رمضان المبارک کا روزہ رکھنا، حج کرنا۔

یہ اسلام کے بڑے بڑے پانچ ارکان ہیں ان کے اہتمام کے بغیر مسلمان مکمل نہیں ہوسکتا، اسی طرح احسان کے بارے میں جبرئیلؑ نے رسول اللہ ﷺ سے معلوم کیا تو فرمایا کہ اللہ پاک کی اس طرح عبادت کرنا گویا تو اس کو دیکھ رہا ہے، اگر یہ نہ ہوسکے تو یہ خیال جماؤ کہ اللہ تم کو دیکھ رہے ہیں، اس سے اخلاص پیدا ہوگا اور عبادت میں خشوع وخضوع حاصل ہوگا، اب مطلب یہ نکلا کہ تم ارکان اخلاص واحسان کے ساتھ جب ادا کروگے تو اس بشارت کے مستحق بنوگے۔

یہود ونصاریٰ کے راستہ سے بچو

ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآئَهُمْ بَعْدَ الَّذِيْ جَآئَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَالَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ، اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ (سورۂ بقرہ)۔

ترجمہ: اور آپ سے یہود ونصاریٰ ہرگز راضی نہ ہوں گے جب تک کہ آپ ان کے ملت (دین) کی پیروی نہ کرنے لگیں، آپ کہہ دیجئے کہ اصل ہدایت تو اللہ پاک کی ہدایت ہے اور اگر بالفرض آپ ان کی خواہشات کی اتباع وتکمیل کرنے لگ جائیں بعد اس کے کہ

آپ کے پاس صحیح علم آچکا ہے تو آپ کو اللہ سے بچانے کے لئے کوئی دوست اور نصرت کرنے والا نہ رہے گا ، وہ لوگ جن کو ہم نے کتاب دی ہے ان میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو اس کتاب کی کما حقہ قدر کرتے ہیں یہی لوگ حقیقت میں ان پر ایمان رکھنے والے ہیں، اور جو اس کتاب کا انکار کریں گے ایسے لوگ سخت خسارہ اور نقصان میں ہوں گے۔

تشریح: ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہود ونصاریٰ کو خوش کرنے کے لئے جو مسلمان اپنا صحیح راستہ اسلام کا بتایا ہوا چھوڑ کر ان کے راستہ پر چلے گا وہ کبھی کامیاب نہ ہو سکے گا نہ دنیا میں نہ آخرت میں بلکہ اس کے لئے ان کی اتباع ہدایت وایمان والے راستہ سے دور کرنے والی چیز ہوگی ،قرآن پاک نے سورۂ فاتحہ میں ہی اس بات کو واضح کر دیا تھا کہ خیر وبھلائی یہود ونصاریٰ سے بچ کر زندگی گزارنے میں ہے یہ لوگ کبھی اسلام اور مسلمانوں کے خیر خواہ اور ہمدرد نہیں ہوسکتے ان کے طریقہ سے بچنا اور منعم علیہم (انبیا، شہداء، صالحین) کے طریقہ کو اختیار کرنا اس میں تمہاری صلاح وفلاح کی ضمانت ہے ، اتنا واضح وصاف اعلان کرنے کے باوجود کتنے ہیں جو پھر بھی یہود ونصاریٰ کے طریقہ پر چلتے ہیں اور اسلام کے طریقہ کو معیوب سمجھتے ہیں ایسے لوگ ظاہر میں مسلمان ہیں اور باطن میں یہود وعیسائی ہیں ان سے بچنا ضروری ہے۔

ملتِ ابراہیمی سے اعراض کرنے والا احمق ہے

ارشاد باری تعالیٰ ہے:وَمَنْ يَرْغَبُ عَنْ مِلَّةِ اِبْرَاهِيْمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ وَلَقَدِاصْطَفَيْنٰهُ فِىْ الدُّنْيَا وَاِنَّهٗ فِى الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِيْنَ اِذْقَالَ لَهٗ رَبُّهٗ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَوَصّٰى بِهَا اِبْرَاهِيْمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ يٰبَنِىَّ اِنّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّاوَاَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ (سورۂ بقرہ)۔

ترجمہ: ملت ابراہیمی سے تو وہی روگردانی کرے گا جو اپنی ذات سے احمق ہو اور ہم نے ابرہیم علیہ السلام کو دنیا میں منتخب کیا وہ آخرت میں بڑے لائق لوگوں میں شمار کئے جائیں گے، جب کہ ان سے انکے پروردگار نے فرمایا کہ تم ہماری اطاعت اختیار کرو تو انہوں نے عرض کیا کہ میں نے رب العلمین کی اطاعت اختیار کرلی اور اس کا حکم ووصیت کر گئے ہیں ابراہیمؑ اپنے بیٹوں کو اور اسی طرح یعقوبؑ نے بھی ،اے میرے بیٹو! اللہ تعالیٰ نے اس دین اسلام کو تمہارے لئے منتخب فرمایا، لہذا تم بجز اسلام کے اور کسی حالت پر جان مت دینا۔

فائدہ: یہاں حضرت ابراہیمؑ کی ملت پر زور دینا مقصود ہے اور ان کی ملت ہی دینِ اسلام ہے لہذا دینِ اسلام سے اعراض اور رُوگردانی کرنے والا احمق ہے۔

حضرت ابراہیمؑ کا خاص وصف اسلام ہے یعنی حق تعالیٰ کی اطاعت وفرمانبرداری کا جذبہ اور ہر وقت عمل سے اس کا ثبوت پیش کرنا جیسی بھی کوئی حالت ہو خوشی یا غمی کی، یہی وجہ ہے کہ وہ اللہ پاک کے خلیل خاص قرار پائے ،اسلام پر قائم ودائم رہنے کی حضرت ابراہیم اور حضرت یعقوبؑ نے بعد والوں کو تاکید فرمائی ہے لہذا ہمیں بھی اس نصیحت پر قائم ودائم رہنا ضروری ہے تبھی ہم صلاح وفلاح سے ہمکنار ہوسکتے ہیں، صالحین سے مراد بقول حضرت عطاءؒ نوح وآدمؑ ہیں مگر تمام ہی وہ حضرات اس میں شامل ہیں جو اللہ پاک کے یہاں قابل احترام واکرام ہیں اور ان کے لئے بہترین ثواب ہے۔

تمام انبیاء کرامؑ پر ایمان ضروری ہے

اراشاد باری تعالیٰ ہے: قُوْلُوْ آمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَا اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ وَاِسْمَاعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَا اُوْتِىَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَا اُوْتِىَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَانُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ فَاِنْ اٰمَنُوْا

بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ (سورۂ بقرہ)۔

ترجمہ: اے لوگو ایسے کہو کہ ہم اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور ان تمام چیزوں پر جو ہماری طرف نازل کی گئی اور جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ابراہیمؑ، اسماعیلؑ، اسحاقؑ، یعقوبؑ اور ان کی اولاد میں اتاری ہیں ہم ان سب پر ایمان رکھتے ہیں اور ان نبیوں کے درمیان تفریق نہیں کرتے ہیں کہ بعض پر ایمان لائیں اور بعض کا انکار کریں، ہم سب اللہ پاک کے تابع اور اطاعت گذار ہیں، اگر یہ لوگ ایمان لاتے ہیں جیسا کہ تم ایمان لائے ہو تو یہ لوگ ہدایت پر آجائیں گے اور اگر یہ لوگ اعتراض اور روگردانی کریں تو یہ لوگ عداوت واختلاف میں مبتلاء ہیں، اللہ پاک ان کے لئے کافی ہیں اور وہ خوب سننے اور جاننے والا ہے۔

تشریح: حضرات علماء فرماتے ہیں کہ کوئی فرد بشر بھی اس وقت تک مکمل ایمان والا نہیں بن سکتا ہے جب تک کہ تمام انبیاء اور تمام کتب منزل من اللہ پر ایمان نہ رکھتا ہو، لہذا انسانوں پر لازم ہے کہ خود بھی، اپنی اولاد، عورتوں اور خادموں کو انبیاءؑ کے نام اور ان کے حالات بتائیں اور ان پر ایمان رکھنے کا حکم کریں تب ہی ایمان مکمل ہوگا اور آیتِ کریمہ کے متقضی پر عمل ہوگا (کذا فی الوسیط رج ۱ رص ۲۲۱)۔

اور ساتھ ساتھ یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی بھی نبی کی شان میں گستاخی اور اس کی نبوت کا انکار کفر کو مستلزم ہوگا، الحمدللہ یہ نعمت مسلمانوں کو حاصل ہے کہ انبیاءؑ کی تعظیم کرتے ہیں اور ان پر ایمان رکھتے ہیں اور ان پر جان ودل سے فدا ہوتے ہیں بخلاف یہود ونصاریٰ اور دوسرے لوگوں کے کہ وہ صرف اپنے انبیاءؑ ہی کو مانتے ہیں دوسرے انبیاء کی تکذیب کرتے ہیں، جب کہ ان کے نبیوں نے خود اس بات کا حکم فرمایا کہ ہمارے بعد سب سے بڑے نبی اور

رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا تب نجات ہوگی۔

اس امت کی اصل صفت اعتدال ہے

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا وَّمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِيْ كُنْتَ عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (سورۂ بقرہ آیۃ ۱۴۳)۔

ترجمہ: اور ہم نے تم کو ایسی ہی اک جماعت بنادیا ہے جو ہر پہلو سے اعتدال پر ہے، تاکہ تم مخالف لوگوں پر گواہ ہو اور تمہارے اوپر رسول ﷺ گواہ ہوں اور جس سمت قبلہ پر آپ رہ چکے ہیں یعنی بیت المقدس وہ تو محض اس لئے تھا کہ ہم کو معلوم ہوجائے کہ کون رسول اللہ ﷺ کا اتباع اختیار کرتا ہے اور کون پیچھے کو ہٹتا جاتا ہے اور یہ قبلہ کا بدلنا لوگوں پر بڑا ثقیل ہے ہاں مگر جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت فرمائی ہے اور اللہ تعالیٰ ایسے نہیں کہ تمہارے ایمان کو ضائع کردیں، واقعی اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں پر بہت ہی شفیق اور مہربان ہیں۔

امت محمدیہؐ کا خاص وصف اعتدال ہے

نبی کریم ﷺ نے لفظ ''وسط'' کی تفسیر عدل سے کی ہے جو بہترین کے معنی میں آیا ہے، مذکورہ بالا آیت میں امت محمد ﷺ کی ایک امتیازی فضیلت اور خصوصیت کا ذکر ہے کہ وہ ایک معتدل امت بنائی گئی ہے، امت محمد ﷺ کی اعتدال کی حقیقت اور اہمیت کو حضرت مفتی محمد شفیع صاحب نور اللہ مرقدہ نے معارف القرآن رص ۳۵۶ رج ۱ ر میں تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے، ہم یہاں ملخص کرکے اس کا ماحصل بیان کریں گے۔

اعتدال کے معنی آتے ہیں برابر ہونا، جس طرح بدنِ انسان کی صحت اعتدال

مزاج سے ہے کہ جہاں بھی یہ اعتدال کسی جانب سے خلل پذیر ہے تو مرض لاحق ہو جائے گا اسی طریقہ سے روحانیت اور اخلاقیات کے صحت کا مدار روحانی اور اخلاقی اعتبار سے معتدل ہونا ہے، جہاں یہ اعتدال ختم ہوا تو روح اور اخلاق کے امراض میں مبتلاء ہوا اگر اس کا علاج نہ کیا گیا تو اس کا نتیجہ روحان موت ہے، انسان کوضوا اشرف المخلوقات کا خطاب ملا ہے وہ محض اسی روحانی اور اخلاقی کمال کی وجہ سے ہے نہ کہ جسم کے ظاہری اعضاء کی وجہ سے، مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا ہے ع

آدمیّت لحم وشحم و پوست نیست　　آدمیت بجز رضائے دوست نیست

معلوم ہوا کہ انسان کا جو ہر شرافت اور مدار فضیلت اس کے اخلاقی وروحانی کمالات ہیں لہذا کامل انسان کہلانے کا مستحق وہی شخص ہوگا جو جسمانی اعتدال کے ساتھ روحانی اعتدال بھی رکھتا ہو، یہ کمال تمام انبیاء کو عموماً اور آقاء نامدار ﷺ کو خصوصیت کے ساتھ عطا کیا گیا ہے اس لئے آپ ﷺ انسان کامل کے اولین مصداق ہیں، جس طرح جسم کو اعتدال پر لانے کے لئے ہر جگہ علاج معالجوں کا اللہ نے انتظام فرمایا ہے اسی طرح روح واخلاق کو اعتدال پر لانے کے لئے انبیاء کرامؑ بھیجے گئے ہیں ان کے ساتھ آسمانی ہدایت بھیجی گئی اور بقدر ضرورت مادی طاقتیں بھی عطاء کی گئیں جن کے ذریعہ وہ قانون اعتدال دنیا میں نافذ کرسکیں، اسی کو قرآن پاک میں اس طرح بیان فرمایا گیا ہے: **لقد ارسلنا رسلنا بالبینٰت وانزلنا معهم الکتاب والمیزان لیقوم الناس بالقسط وانزلنا الحدید فیه باس شدید** (سورۂ حدید آیت ۲۵) اس مختصر سی تفصیل اور آیت کریمہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کا اصل مقصد اور حکمت یہ ہے کہ لوگوں کو اخلاقی اور عملی اعتدال پر قائم کیا جائے اور یہی قوموں کی صحت مندی وتندرستی ہے۔

امت محمد ﷺ میں ہر قسم کا اعتدال

آیت کریمہ میں ’’جعلنٰکم امۃ وسطا‘‘ فرما کر یہ بتلا دیا ہے کہ امتِ محمد ﷺ امت وسط یعنی معتدل امت ہے جن کے اندر انسان کا جو ہر شرافت اور فضیلت بدرجہ کمال موجود ہے اور جس غرض کے لئے یہ آسمان وزمین کا سارا نظام قائم ہے اور جس نظام کے لئے انبیاء کرام علیہم السلام اور آسمانی کتابیں بھیجی گئی ہیں یہ امت اس میں ساری امتوں سے افضل وممتاز ہے، سورۂ ال عمران میں ارشادِ خداوندی ہے **کنتم خیر امۃٍ اخرجت للناس** اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ امتِ محمد ﷺ کو جس طرح سب سے افضل رسول نصیب ہوئے ہیں اور سب سے افضل کتاب نصیب ہوئی، اسی طرح ان کو قوموں کا صحت مندانہ مزاج اور اعتدال بھی اسی اعلیٰ پیمانہ پر نصیب ہوا ہے کہ وہ بہترین امت قرار پائی، اس مختصر تفصیل کے بعد اب ایسے چند امور پیش کریں گے جن سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ امتِ محمد ﷺ افراط اور تفریط سے بالا تر ہو کر مکمل اعتدال کے مرکب پر راکب (سواری پر سوار) ہے بالمقابل دوسری امتوں کے چند مثالیں حسب ذیل ہیں۔

اعتقاد میں اعتدال

پچھلی امتوں میں بعض نے اتنے افراط سے کام لیا ہے کہ اپنے نبی کو خدا یا خدا کا بیٹا بنایا جیسا کہ نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کیا، اللہ پاک نے فرمایا وقالت النصاری المسیح بن اللہ اور بعض نے اتنی تفریط کی کہ اپنے نبی کے مسلسل معجزات کا مشاہدہ کرنے کے باوجود گستاخ ہو کر یوں کہنے لگے: اِذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَاۤ اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ (سورۂ مائدہ آیت ۲۴) بخلاف اس کے امت محمد ﷺ کے اعتدال کا حال

یہ ہے کہ اپنے نبی ﷺ سے وہ عشق ومحبت رکھتے ہیں کہ ان کے لئے اپنی جان ومال اور اولاد وآبرو سب کچھ قربان کردیتے ہیں اور دوسرا اعتدال یہ ہے کہ خدا کو خدا اور رسول کو رسول کا درجہ دیتے ہیں رسول اللہ ﷺ کو بایں ہمہ کمالات وفضائل عبداللہ ورسولہ مانتے ہیں اور کہتے ہیں۔

عمل وعبادات میں اعتدال

عمل وعبادات کے بارے میں پچھلی امتوں میں ایک طرف یہ نظر آئے گا کہ اپنی شریعت کو چند ٹکوں کے بدلے فروخت کیا جاتا ہے، رشوتیں لیکر آسمانی کتاب میں ترمیم کی جاتی ہے غلط فتویٰ دے دیا کرتے تھے عبادت سے پیچھا چھڑا کر بیحد تفریط کرتے تھے اور دوسری طرف افراط کرنے والوں کا حال یہ ہے کہ ترک دنیا کرکے رہبانیت اختیار کرلی اور جنگلوں کے غاروں کے اندر چھپ گئے اللہ کی دی ہوئی حلال نعمتوں کو اپنے اوپر حرام کرلیا کرتے، لیکن امت محمدیہ ﷺ اعتدال پر ہے کہ رہبانیت کو انسانیت پر ظلم قرار دیا اور دوسری طرف احکام رسول پر مرمٹنے کا جذبہ پیدا کیا اور قیصر وکسریٰ کے تخت وتاج کے مالک بن کر دنیا کو یہ دکھلایا کہ دیانت وسیاست میں یا دین ودنیا میں کوئی بیر نہیں، مذہب صرف مسجدوں اور خانقاہوں تک ہی محدود نہیں بلکہ اس کی حکمرانی بازاروں اور دفتروں پر بھی ہے۔

معاشرت اور تمدن میں اعتدال

پچھلی امتوں میں انسانی حقوق میں اتنی بے اعتدالی تھی کہ حق اور ناحق کی کوئی پرواہ نہیں تھی، اپنی اغراض کیلئے قتل وقتال کی کوئی پرواہ نہیں کرتے تھے، لوٹ مار کو سب سے بڑا کمال سمجھا جاتا تھا، عورتوں کو انسانی حقوق دینا تو بعید بات ہے ان کو زندہ رہنے ہی نہیں دیتے تھے۔ شوہر مرگیا تو عورت کو زندہ رہنے کا حق نہیں تھا بلکہ مردہ شوہر کی چتا میں زندہ بیوی کو بھی جلنا ضروری تھا۔ دوسری قسم کے لوگوں کا حال یہ تھا کہ وہ اپنی بیوقوفانہ بےجا رحم دلی سے کیڑے مکوڑے اور دیگر جانوروں کو مارنا اور ذبح کرنا حرام سمجھتے تھے، خدا تعالیٰ کے حلال کئے ہوئے جانوروں کے گوشت پوست سے نفع اٹھانا ان کے نزدیک ظلم تھا، لیکن امت محمد ﷺ اس افراط وتفریط اور بے اعتدالی کو ختم کرنے والی امت ہے، لہذا اعتدال سے کام لیتے ہوئے انسان کو انسانی حقوق عطاء کئے اور نہ صرف صلح ودوستی کے وقت بلکہ عین میدانِ جنگ میں مخالفین کے حقوق کی حفاظت سکھلائی، عورتوں کو مردوں کی طرح حقوق عطاء فرمائے اور اعتدال کا خاص نقطۂ نظر یہ ہے کہ ہر چیز کی حد مقرر فرمائی جس کے آگے بڑھنے اور پیچھے رہنے کو جرم قرار دیا اور اپنے حقوق کے معاملے میں درگذر عفو اور چشم پوشی کا سبق سکھلایا، دوسروں کے حقوق کا پورا اہتمام کرنے کے آداب سکھلائے۔

اقتصادی اور مالی حالات میں اعتدال

دنیا کی ہر قوم وملت میں سب سے اہم مسئلہ معاشیات اور اقتصادیات کا ہے لیکن اس میں بھی دیگر قوموں اور امتوں میں اس قدر بے اعتدالی اور افراط وتفریط ہورہی ہے کہ سرمایہ داری صرف سرمایہ داروں ہی تک محدود رہی اور غربت غریب کے سر پر تاحیات منڈلاتی رہتی ہے، حلال وحرام کے قیود سے اور دوسرے لوگوں کی خوش حالی یا بدحالی سے آنکھیں بند کرکے زیادہ سے زیادہ دولت جمع کرلینا سب سے بڑی انسانی فضیلت سمجھی جاتی ہے اور دوسری طرف شخصی اور انفرادی ملکیت ہی کو سرے سے جرم قرار دیا جاتا ہے، اس کے برعکس امتِ محمد ﷺ نے اس میں بھی عجیب وغریب اعتدال اختیار کیا ہے کہ ایک طرف تو دولت کو مقصدِ زندگی بنانے سے منع فرمایا اور انسانی عزت وشرافت یا کسی منصب وعہدہ کا مدار اس پر نہیں رکھا۔ دوسری طرف تقسیم دولت کے ایسے پاکیزہ قوانین مقرر کئے

جن سے کوئی بھی شخص ضروریات زندگی سے محروم نہ رہے اور کوئی فرد ساری دولت کو نہ سمیٹ لے۔ الحاصل امت محمدیہ ﷺ ہی دنیا میں ایک ایسی امت ہے جو زندگی کے ہر معاملہ خواہ دینی ہو یا دنیاوی ہو مکمل اور کامل طریقہ سے اعتدال پر ہے (تلخیص از معارف القرآن ،مصنفہ حضرت مولانا مفتی شفیع صاحبؒ)۔

ایمان،صبر وصلاۃ

اللہ پاک کا ارشاد عالی ہے: یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ (سورۂ بقرہ) اے ایمان والو صبر اور نماز کے ذریعہ اللہ پاک سے مدد حاصل کرو بیشک اللہ تبارک وتعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

تشریح: اس سے اوپر والی آیت میں ذکر اور شکر کی تعلیم دی گئی ہے اور کفر سے روکا گیا ہے اس آیت میں ایمان والوں کو صبر ونماز کے ساتھ استعانت کا حکم دیا جارہا ہے کہ صبر اور نماز سے اپنی پریشانیوں میں سکون اور تسلی حاصل کریں جیسا کہ نبی کریم ﷺ کا طریقہ تھا کہ جب بھی کوئی مصیبت اور کوئی پریشانی آتی تو آپ ﷺ کی طرف صبر اور نماز کے ذریعہ متوجہ ہوجاتے۔ بیشک اللہ پاک صبر کرنے والوں کے ساتھ ہیں ،یعنی اللہ کی رحمت خاصہ اور معیت خاصہ ان کے ساتھ ہوتی ہے اور یہ کس قدر بڑی نعمت ہے کہ اللہ پاک کی معیت حاصل ہوجائے۔ آگے صبر کرنے والوں کو مزید بشارت دیکر فرماتے ہیں کہ ان پر رب تعالیٰ کی طرف سے خاص عنایات اور رحمتیں نازل ہوتی ہیں اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہوتے ہیں۔ حضرت مقاتلؒ فرماتے ہیں: مطلب یہ ہے کہ آخرت کو طلب کرنے کیلئے فرائض پر مکمل عمل کرو ان پر صبر کرو یعنی جمے رہو اور پانچوں نمازیں اپنے اپنے اوقات میں ادا کرو اس سے تمہارے گناہ ختم ہوجائیں گے (کذا فی الوسیط رص ۲۳۷)۔

دلائل توحید باری تعالیٰ

قال اللہ سبحانہ وتعالیٰ: وَاِلٰـھُکُمْ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ 0 اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّھَارِ وَالْفُلْکِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِہِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِھَا وَبَثَّ فِیْھَا مِنْ کُلِّ دَآبَّۃٍ وَّتَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ (سورۂ بقرہ آیت ۱۶۴)۔

ترجمہ: اللہ پاک کا ارشاد ہے: اور تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے اس کے علاوہ اور کوئی معبود نہیں ہے، وہ ہی رحمٰن اور رحیم ہے، بیشک آسمان وزمین کی تخلیق میں اور رات ودن کے آنے جانے میں اور ان کشتیوں میں جو دریا میں چلتی ہیں ایسی چیزوں کو لیکر جو لوگوں کو فائدہ دیتی ہیں اور اس میں جو کہ اللہ پاک نے پانی اتارا ہے آسمان سے پھر اس کے ذریعہ سے زندہ فرمادیا زمین کو اس کے بنجر ہونے کے بعد اور پھیلادئے ہر قسم کے جانور اور ہواؤں کے گھومنے میں اور ان بادلوں میں جن کو اللہ پاک نے آسمان اور زمین کے درمیان روک رکھا ہے عبرت کی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو سمجھ رکھتے ہیں۔

تشریح: ان مبارک آیات میں حق تعالیٰ جل شانہ نے تفصیل کے ساتھ اپنی قدرت کے دلائل کو واضح فرمایا ہے اور تمام انسانوں کو غور وفکر کرنے کی دعوت دی ہے۔

پہلی دلیل: آسمان کا نظام دیکھئے جو عقل کو حیرت میں ڈالنے والا ہے ،کتنا لمبا چوڑا جبکہ آسمان اور درمیان میں کوئی ستون نہیں ہے، پھر ایک آسمان نہیں بلکہ اس طرح اوپر نیچے سات آسمان جن میں فرشتوں کے لئے راستے ہیں ،جس کو دوسری جگہ سبع طرائق سے یاد فرمایا ہے، اے انسان! تو ہر وقت آسمان کو دیکھتا ہے پھر غور سے کام لیکر اللہ پاک کی

قدرت وکمال تک نہیں پہنچتا ہے یہ کس قدر عجیب بات ہے جو ہرگز تیرے لائق نہیں ہے۔

دوسری دلیل: زمین کا وجود ہے، پانی پر پھیلی ہوئی یہ زمین کس قدر طویل وعریض ہے انسان کی ساری ضروریات اس میں موجود ہیں پھر یہ بھی ایک نہیں اوپر نیچے ساتھ زمینیں اور ان میں اللہ پاک کی بے شمار مخلوقات کا وجود کیا تیری آنکھوں کے لئے یہ عبرت اور بصیرت کا سامان نہیں ہے یہ کس قدر عجیب بات ہے۔

تیسری دلیل: رات و دن کا نظام دیکھو! کبھی رات آتی ہے کبھی دن آتا ہے، رات میں کتنے فائدے آرام وراحت کے اور دن میں کتنے فائدے اسبابِ معیشت حاصل کرنے کے ان سے تو فیضیاب ہو رہا ہے فائدہ اٹھا رہا ہے، پھر بھی ان کے خالق ومتصرف کو نہیں جانتا یہ کس قدر عجیب ہے۔

چوتھی دلیل: کشتیاں ہیں جو دریا میں پہاڑوں کی طرح چلتی ہیں بڑے بڑے اسٹیمر اور جہازوں کا سلسلہ جن سے ساری دنیا میں مال سپلائی ہوتا ہے پانی پر قائم ہے اور اس نظام سے عالم کے رہنے والوں کے لئے بے شمار فائدے وابستہ ہیں، اے انسان! تیرے لئے ان میں عبرت اور بصیرت کا سامان نہیں ہے کہ اللہ پاک کے دئے ہوئے فائدے حاصل کرتا رہتا ہے پھر خود باری تعالیٰ کی معرفت اور عبادت سے محروم رہتا ہے یہ کس قدر عجیب ہے، غور وفکر سے کام لے اور اس خالق حقیقی کی اطاعت وعبادت میں اخلاص وتوحید کے ساتھ مشغول ہوجا تبھی کامیاب ہوسکتا ہے۔

پانچویں دلیل: بارش کا نظام ہے، بادلوں سے آسمانوں سے بارش کا اس طرح مسلسل اترنا اور زمین پر گر کر اس کو سرسبز وشاداب بنا دینا جس سے اس کی مردگی ختم ہوجائے گی اور پھل وپھول تمام غلہ جات، سبزیاں، ترکاریاں، ہری گھاس پیدا ہوجائیں جن سے انسان اور جانور کی زندگی چلتی ہے عجیب قدرتِ باری تعالیٰ کا مظاہرہ ہے، واہ رے انسان! اللہ سبحانہ وتعالی کی عطا کردہ نعمتوں کو استعمال خوب کرتا ہے مگر پھر بھی ان کی قدرت پر ایمان نہیں لاتا اگر ایمان لاتا تو عبادت وتوحید کو اختیار کرتا جیسا کہ اس کے نیک مخلص بندے اختیار کرتے ہیں اور ہر وقت اپنے مولیٰ کی اطاعت میں مشغول ہوتے ہیں مگر تیرا اللہ پاک کی اطاعت وعبادت وتوحید سے اعراض کرنا کس قدر عجیب بات ہے۔

چھٹی دلیل: ہواؤں کا نظام: ہوا انسان کو نظر نہیں آتی انتہائی لطیف شئی ہے غایتِ لطافت سے نظروں سے اوجھل ہے مگر اس کا وجود محسوس ہوتا ہے جس کا کوئی انکار نہیں کرسکتا ہے، ہوا کبھی مغرب سے مشرق میں کبھی شمال سے جنوب میں کبھی اس کے برعکس چلتی ہے اور اس سے انسانوں، حیوانوں، درختوں اور جملہ نباتات کو غذا اور تقویت ملتی ہے، انسان کی زندگی میں ہوا اتنی ضروری ہے جس قدر پانی ضروری ہے، کیونکہ ہوا انسان کے اجزاء ترکیبیہ کا جزء ہے، انسان تو اللہ پاک کی اس نعمت سے کتنا فائدہ اٹھا رہا ہے پھر بھی اس کی اطاعت وبندگی اخلاص وتوحید کے ساتھ کرنے میں کتنا وقت لگاتا ہے یہ سوچنے کا مقام ہے۔

ساتویں دلیل: بادل ہے جو زمین وآسمان کے درمیان مسخر ہے یعنی ٹھہرا ہوا ہے جو مختلف ٹکڑوں پر مشتمل ہوتا ہے اس کے مختلف ٹکڑے پہلے ایک دوسرے کے ساتھ جڑتے ہیں پھر اوپر نیچے ہوکر وہ گھنا اور موٹا بن جاتا ہے پھر اللہ پاک کے حکم سے جہاں کا بھی حکم ہوتا ہے برستا ہے اس میں آگ بھی ہے اور پانی بھی ہے دونوں کا اجتماع عقل کو حیرت میں ڈالنے والا ہے۔

آٹھویں دلیل: اسی طرح زمین وآسمان میں جو اللہ پاک نے بے شمار جانور

پھیلا دئے ہیں جن سے انسان قسم قسم کے فائدے اٹھاتا ہے بہت سے کھانے کے کام میں اور بہت سے سواری کے کام میں اور بہت سے دوسرے کاموں میں استعمال ہوتے ہیں، ان کا وجود بھی باری تعالیٰ کی کمالِ قدرت و وحدانیت کا بین ثبوت ہے، اے انسان! تو بھی عجیب ہے کہ ان سب سے فائدہ تو اٹھاتا ہے مگر خالق حقیقی کی معرفت وعبادت سے محروم ہے یہ کس قدر عجیب بات ہے۔

حضرت امام رازیؒ اپنی تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں کہ آیت کریمہ میں بتلانا مقصود یہ ہے کہ باری تعالیٰ کے وجود پر ان دلائل کے ساتھ استدلال کرنا چاہئے تاکہ ایمان محض تقلیدی نہ رہے بلکہ استدلالی اور حقیقی بن جائے۔

علامہ ابن جریرؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت کریمہ کا سبب نزول یہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ تشریف لے آئے تو آیت الٰهكم الله واحد کا نزول ہوا اس پر مکہ کے کفار نے کہا کہ تمام انسانوں کو ایک معبود کیسے کافی ہوسکتا ہے؟ اس پر یہ آیت خلق السمٰوٰت والارض نازل ہوئی جس میں دلائل قدرت کا مکمل طور پر تذکرہ فرمایا گیا ہے (تفسیر فخر الدین رازیؒ ص۲۰۲ رج۲)۔

آیت بالا کے بعض فوائد

(۱) مذکورہ آیت کے ضمن میں امام رازی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ ہمارے لئے سب سے قریب چاند ہے پھر اس کے اوپر کرہ عطارد ہے پھر زہرہ پھر کرہ شمس ہے پھر مریخ ہے پھر مشتری ستارہ ہے پھر زحل ہے پھر ثوابت ہیں پھر فلک کرۂ اعظم ہے، اس کے بعد امام رازیؒ نے آسمانوں کی تحقیق میں اس مقام پر فلسفیانہ کلام فرمایا ہے جس کو اس موضوع سے دلچسپی ہو وہاں مطالعہ کرے۔

(۲) زمینوں کے احوال واختلاف اور احوال کے اسباب پر امام رازیؒ نے مستقل کلام کیا ہے اور بتایا ہے کہ زمین سے استدلال آسان ہے وجود صانع باری تعالیٰ پر۔

(۳) رات ودن کا اختلاف یعنی آنا جانا، یکے بعد دیگرے یا ان میں طول وقصر کے اعتبار سے یہ جو اختلاف پایا جاتا ہے یہ اماکنہ اور ازمنہ کے اختلاف کا نتیجہ ہے، کبھی دن بڑا اور رات چھوٹی اور کبھی اس کا برعکس، یہ عجیب معاملات غور وفکر کی چیزیں ہیں ان کے اسباب کی وضاحت امام رازیؒ نے فرمائی، لکھتے ہیں کہ رات اور دن کے احوال کا اختلاف شمس کی حرکات سے تعلق رکھتا ہے اور دنوں کا طویل ہونا کبھی راتوں کا طویل ہونا یہ موسموں کے ادل بدل ہونے کا نتیجہ وثمرہ ہے۔

پھر دن کا مصالحِ عباد کے حصول میں معاون ہونا بھی دلیل قدرتِ باری ہے، اسی طرح رات کے آغاز میں ساری مخلوق کا سونے پر متوجہ ومائل ہونا یہ ایسا ہے جیسا کہ نفخۂ اولیٰ کے وقت مخلوق کا مرجانا اور ان کا طلوع شمس کے اوقات میں یا طلوعِ فجر کے اوقات میں بے دار ہونا نفخۂ ثانیہ کے وقت اٹھ جانے کے مشابہ ہے۔

ایمان اور محبتِ الٰہی

اللہ پاک کا ارشاد ہے: وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ (سورۂ بقرہ)۔

ترجمہ: اور لوگوں میں بعض ایسے بھی ہیں جو اللہ کے علاوہ دوسروں کو اپنا معبود بنا کر اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں اور ان سے ایسی محبت کرتے ہیں جیسی اللہ پاک سے ہونی چاہئے اور ایمان والے اللہ پاک سے بے حد محبت کرتے ہیں۔

تشریح: معلوم ہوا کہ ایمان کے ساتھ محبتِ خداوندی بہت ضروری ہے وہ بھی شدت

والی محبت تب ایمان مکمل ہوگا، ایسی محبت ہونی چاہئے کہ اللہ کے راستہ میں جان، مال، عزت، وقت، اولاد سب کچھ قربان کرنے کو تیار ہو جائیں، جیسا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس محبت کا نمونہ تھے۔

ایمان اور شکر

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰکُمْ وَاشْکُرُوْا لِلّٰہِ اِنْ کُنْتُمْ اِیَّاہُ تَعْبُدُوْنَ (سورۂ بقرہ)

ترجمہ: اے ایمان والو! پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ جو ہم نے تم کو دی ہیں اور اللہ پاک کا شکر ادا کرو اگر واقعی تم اس کی عبادت کرنے والے ہو۔

تشریح: سبحان اللہ! اللہ تعالیٰ کس قدر شفیق اور مہربان ہیں کہ فرما رہے ہیں اے ایمان والو! ہماری دی ہوئی عمدہ اور پاکیزہ چیز کھاؤ اور ان نعمتوں کا شر ادا کرو، یعنی اللہ پاک کی اطاعت اور فرمانبرداری کو اختیار کرو اور عبادت کرو یہی نعمتوں کا شکر ہے، باری تعالیٰ سے بڑھ کر محسن کون ہو سکتا ہے؟ ایمان کا مقتضیٰ یہی ہے کہ شکر اختیار کرو زبان سے بھی اور اعضاء وجوارح سے بھی اور دل سے بھی اس کی عظمت کا اظہار کرو۔

ایمان کے کام

ارشادِ باری تعالیٰ شانہ ہے: لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْھَکُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰکِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰئِکَۃِ وَالْکِتَابِ وَالنَّبِیّٖنَ وَآتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّہٖ ذَوِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسَاکِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ وَالسَّائِلِیْنَ وَفِی الرِّقَابِ o وَاَقَامَ الصَّلٰوۃَ وَاٰتَی الزَّکٰوۃَ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَھْدِھِمْ اِذَا عَاھَدُوْا وَالصَّابِرِیْنَ فِی الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِیْنَ الْبَاْسِ اُولٰئِکَ الَّذِیْنَ

19

صَدَقُوْا وَاُولٰئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ o (سورۂ بقرہ)۔

ترجمہ: بھلائی اور نیکی صرف یہی نہیں ہے کہ تم اپنے چہروں کو مشرق یا مغرب کی طرف کرلو (نماز میں) لیکن اصل بھلائی والا وہ شخص ہے جو اللہ پاک پر ایمان لایا اور آخرت کے دن پر، فرشتوں، کتابوں اور نبیوں پر ایمان لایا ہو اور اس نے مال کی محبت کے باوجود رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں، مانگنے والوں اور غلاموں کی آزادی میں خرچ کیا، نماز ادا کی، زکوۃ ادا کی۔ اور وہ لوگ جو اپنے وعدوں کو پورا کرتے ہیں جب کسی سے کوئی نیک وجائز وعدہ کرتے ہیں اور وہ لوگ جو صبر سے کام لیتے ہیں، فقر وغربت میں اور پریشانی ومصیبت میں اور جنگ کے موقع پر، ایسے ہی لوگ سچے ہیں اور ایسے ہی لوگ متقی ہیں حقیقتاً۔

تشریح: علامہ ابوحیان اندلسیؒ اپنی تفسیر البحر المحیط میں لکھتے ہیں: حضرت قتادہؒ اور حضرت مقاتلؒ نے فرمایا کہ یہ آیت یہود ونصاریٰ کے سلسلہ میں نازل ہوئی ہے، یہود مغرب کی طرف اور عیسائی مشرق کی طرف اپنی عبادات میں رخ کرتے ہیں اور اسی کو سب سے بڑی عبادت خیال کرتے ہیں۔ مفسرین کی ایک جماعت جن میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، مجاہدؒ، ضحاکؒ جیسے حضرات ہیں فرماتے ہیں کہ ابتداء اسلام میں جب کوئی مسلمان ہوتا اور شہادتین کا اقرار واعتراف کر لیتا تو کسی بھی جانب رخ کر کے نماز پڑھ لیا کرتا اور اس پر اس کا انتقال ہو جاتا اس کے لئے جنت ثابت وواجب ہو جاتی، لیکن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے اور احکامات تفصیلاً نازل ہوئے اور کعبۃ اللہ کو مستقل طور پر قبلہ قرار دے دیا گیا تو اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو اس میں مسلمانوں کو بھی سمجھانا تھا کہ یہود ونصاریٰ کی طرح تم بھی کعبۃ اللہ کی طرف رخ کرنے کو

ہی سب کچھ تصور مت کر لینا ابھی بہت کام اور بھی باقی ہیں جو ایمان کے متقاضی ہیں اور ان سے ایمان میں استحکام پیدا ہوتا ہے اور وہ بہت ضروری ہیں تب بھلائی والے بنو گے اور وہ کام یہ ہیں:

(۱) اللہ پاک پر ایمان لائے اور ساتھ ساتھ قیامت کے دن پر ایمان لائے اور فرشتوں، کتابوں، نبیوں پر ایمان لائے۔ حدیثِ جبرئیل علیہ السلام میں ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جبرئیل علیہ السلام نے معلوم کیا کہ ایمان کیا ہے؟ فرمایا کہ اللہ پر ایمان لاؤ اور فرشتوں، کتابوں، رسولوں، قیامت کے دن پر تقدیر پر کہ خیر وشر سب اللہ پاک کی طرف سے ہے۔ تمام عقائد جن کا تعلق ایمان سے ہے وہ سب اس آیت کریمہ میں داخل ہیں جن کی تفاصیل اہل سنت والجماعت کے عقائد کی کتابوں میں موجود ہیں اس کو سمجھنا بہت ضروری ہے، اللہ پاک پر ایمان میں ان کی ذات وصفات کے بارے میں کیا عقائد ہونے چاہئے وہ سب شامل ہیں، رسولوں پر ایمان میں ان کے بشریت وصداقت، طہارت، عفت وعصمت اور عالم الغیب نہ ہونے کے عقائد آ گئے ہیں، اسی طرح کتابوں اور دیگر رسولوں کے سلسلہ میں ہے۔

(۲) مال کے سلسلہ میں، اللہ کے حقوق، بندوں کے حقوق اور مال کی ادائیگی ہیں جن میں سے زیادہ اہم اقرباء، رشتہ داروں اور اہل وعیال ومتعلقین کے حقوق ہیں جن کی تفاصیل کتب فقہ میں مذکور ہے۔ اسی طرح یتیموں، غریبوں، مسافروں اور سائلین اور غلاموں کی حریت میں تعاون کے معاملات ہیں۔

(۳) نماز قائم کرنا، زکوٰۃ ادا کرنا، وعدہ پورا کرنا اور غربت ومصیبت میں صبر سے کام لینا، اسی طرح جہاد کے موقع پر دشمن کے مقابلہ میں جم کر رہنا یہ سب ایمان کے

20

کام ہیں، ان کے بعد صادقین اور متقین میں داخلہ ملے گا۔ علامہ واحدیؒ تفسیر الوسیط ر ص ۲۶۳ ر ج ۱ ر میں لکھتے ہیں کہ جو شخص اس آیت پر عمل کرے گا اس کا تو ایمان مکمل ہوگا، نیز لکھتے ہیں کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے ایمان کے متعلق سوال کیا تو حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے یہ آیت کریمہ لیس البر الخ اس کے سامنے تلاوت فرمائی، وہ کہنے لگا کہ میں نے بُرائی اور بھلائی کے بارے میں معلوم نہیں کیا تھا بلکہ ایمان کے بارے میں معلوم کیا تھا، تو حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا تھا اور اس نے ایمان کے بارے میں سوال کیا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہی آیت کریمہ تلاوت فرمائی تھی تو اس نے بھی ایسا ہی کہا تھا جیسا کہ تو نے کہا ہے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ قریب ہو جاؤ مؤمن جب نیک کام کرتا ہے تو اس کا دل خوش ہوتا ہے اور ثواب کا امیدوار ہوتا ہے اور جب اس سے کوئی غلطی ہوتی ہے تو اس کے دل میں احساس وتکلیف ہوتی ہے اور اس کی سزا سے ڈرنے لگتا ہے۔

ان آیاتِ مبارکہ میں صادقین ومتقین کے بعض اوصاف مذکور ہوئے ہیں، متقیوں کے باقی اوصاف دیگر آیات میں مذکور ہوئے ہیں مثلا ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ ھَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَھُمُ الْجَاھِلُوْنَ قَالُوْا سَلَامًا ○ وَالَّذِیْنَ یَبِیْتُوْنَ لِرَبِّھِمْ سُجَّدًا وَّقِیَامًا ○ وَالَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَھَنَّمَ اِنَّ عَذَابَھَا کَانَ غَرَامًا ○ اِنَّھَا سَآئَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ○ وَالَّذِیْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ یُسْرِفُوْا وَلَمْ یَقْتُرُوْا وَکَانَ بَیْنَ ذٰلِکَ قَوَامًا ○ وَالَّذِیْنَ لَا یَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰہِ اِلٰھًا اٰخَرَ وَلَا یَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰہُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا یَزْنُوْنَط وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِکَ یَلْقَ اَثَامًا ○ یُضٰعَفُ لَھَا الْعَذَابُ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَیَخْلُدْ فِیْہٖ مُھَانًا ○ اِلَّا

مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلاً صَالِحًا فَاُولٰٓئِکَ یُبَدِّلُ اللّٰہُ سَیِّاٰتِھِمْ حَسَنٰتٍ ط
وَکَانَ اللّٰہُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا o وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّہٗ یَتُوْبُ اِلَی اللّٰہِ
مَتَابًا o وَالَّذِیْنَ لَا یَشْھَدُوْنَ الزُّوْرَ وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا کِرَامًا o وَالَّذِیْنَ اِذَا
ذُکِّرُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّھِمْ لَمْ یَخِرُّوْا عَلَیْھَا صُمًّا وَّعُمْیَانًا o وَالَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا
ھَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّیّٰتِنَا قُرَّۃَ اَعْیُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِیْنَ اِمَامًا o اُولٰٓئِکَ
یُجْزَوْنَ الْغُرْفَۃَ بِمَا صَبَرُوْا وَیُلَقَّوْنَ فِیْھَا تَحِیَّۃً وَّسَلٰمًا o خٰلِدِیْنَ فِیْھَا
حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا o قُلْ مَا یَعْبَؤُا بِکُمْ رَبِّیْ لَوْلَا دُعَاؤُکُمْ فَقَدْ کَذَّبْتُمْ
فَسَوْفَ یَکُوْنُ لِزَامًا o (سورۂ فرقان)۔

ترجمہ: اور رحمٰن کے خاص الخاص بندے وہ ہیں جو چلتے ہیں زمین پر عاجزی کے ساتھ (متواضعانہ انداز سے) اور جب بات کرنے لگیں ان سے جاہل لوگ تو صاحب سلامت کہہ کر رخصت ہوجاتے ہیں اور وہ لوگ جو رات گذارتے ہیں اپنے رب کے آگے سجدے اور قیام کی حالت میں وہ لوگ یہ دعا مانگتے رہتے ہیں اے رب! ہم سے عذاب جہنم کو دور رکھئے بے شک اس کا عذاب دائم و لازم ہے۔ بلاشبہ وہ بری جگہ ہے رہنے کی اور ٹھہرنے کی، اور وہ جب خرچ کرنے لگتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ تنگی کرتے ہیں اور ان کا خرچ کرنا اس کے درمیان اعتدال پر ہوتا ہے اور جو لوگ اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کی عبادت نہیں کرتے اور جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے حرام فرمایا اس کو قتل نہیں کرتے ہاں مگر حق پر، اور بدکاری نہیں کرتے اور جو کرے یہ کام وہ اپنے کئے کو پائے گا قیامت کے دن اسے دوہرا عذاب دیا جائے گا اور وہ ہمیشہ ہمیشہ ذلیل ہوکر اس عذاب میں پڑا رہے گا، مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لایا تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف خاص طور پر رجوع کر رہا ہے اور وہ بے ہودہ باتوں میں شامل نہیں ہوتے اور اگر بے ہودہ لوگوں کے پاس سے گذریں تو سنجیدگی کے ساتھ گذر جاتے ہیں اور وہ لوگ کہ جب ان کو ان کے پروردگار کی آیتوں سے نصیحت کی جاتی ہے تو وہ ان پر بہرے اور ندھے ہوکر نہیں گرتے اور وہ ایسے ہیں کہ دعاء کرتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو ہماری بیویوں اور اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور اے اللہ ہم کو پرہیز گاروں کا پیشوا بنادے، ایسے لوگوں کو بالا خانے ملیں گے کیونکہ وہ طاعت پر ثابت قدم رہے اور لینے آویں گے ان کو وہاں دعاء وسلامتی کہتے ہوئے، ہمیشہ ہمیشہ رہا کریں گے ان میں، بلاشبہ بہشت نہایت عمدہ آرامگاہ اور قیام گاہ ہے، کہہ دیجئے آپ ﷺ کہ میرا رب تمہاری پرواہ نہیں کریگا اگر تم عبادت نہ کروگے سو تم تو جھوٹا سمجھتے ہو تو عنقریب یہ وبال جان ہوگا۔

ایمان والوں کو روزہ کا حکم

ارشاد باری تعالیٰ ہے: یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ (سورۂ بقرہ)۔

ترجمہ: اے ایمان والو تم پر روزہ (رمضان) کا فرض کیا گیا ہے جیسا کہ فرض کیا گیا تھا تم سے پہلے والوں پر تاکہ تم متقی بن جاؤ۔

تشریح: تفسیر الوسیط میں علامہ واحدی نیشا پوریؒ لکھتے ہیں کہ مفسرین کا اتفاق ہے کہ اس آیت کریمہ میں صیام سے مراد رمضان المبارک کے روزے ہیں اور ابتدائے اسلام میں دسویں محرم کا روزہ فرض تھا اور ہر ماہ کے تین دن کے روزے فرض تھے، جب رمضان کے روزے فرض ہوگئے تو ان کی فرضیت منسوخ ہوگئی البتہ ان کا استحباب اب بھی باقی ہے، اس کی

احادیث میں فضیلت بھی آئی ہے نیز یہ معلوم ہوا کہ روزے صرف تمہارے اوپر ہی فرض نہیں ہوئے بلکہ تم سے پہلے اہل کتاب یہود ونصاریٰ پر بھی فرض تھے، اگر چہ کیفیت اور زمانہ کا فرق ضرور تھا اور بعض حضرات نے فرمایا آدمؑ سے لیکر آپ ﷺ تک تمام امتوں نے روزہ رکھا ہے اور روزوں سے مقصود تم کو متقی وپرہیزگار بنانا ہے کہ عارضی طور پر جائز اور مباح افعال سے دور رکھ کر ممنوع اور حرام کاموں سے ہمیشہ کے لئے بچانا مقصود ہے اور ایک ماہ اس کی مشق Training ہے (کذا فی البحر رص ۷۹ رج ۲)۔

ایمان اور دعاء

قال اللہ تعالیٰ: وَاِذَا سَأَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ (سورۂ بقرہ)۔

ترجمہ: اور جب آپ سے میرے بندے میرے متعلق دریافت کریں تو میں قریب ہی ہوں، قبول کرلیتا ہوں دعاء کرنے والے کی دعاء جب وہ مجھ سے دعاء کرتا ہے، سو ان کو چاہئے کہ میرے احکام کو قبول کیا کریں اور مجھ پر یقین رکھیں امید ہے کہ وہ لوگ اس طرح فلاح حاصل کرسکیں گے۔

تشریح: ان آیات میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے بندوں کو دعاء کرنے کی ترغیب دی ہے اور اپنے قرب کو بتایا ہے کہ وہ بندوں کے بہت قریب ہے بندوں کی دعاء ان کی درخواست قبول فرماتے ہیں لہذا بندوں کو چاہئے کہ اللہ پاک کے احکام کی تعمیل کریں اور انہی پر بھروسہ رکھیں کہ اللہ پاک ضرور جزائے خیر عطا فرمائیں گے طاعت قبول کریں گے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہود نے کہا کہ ہمارے رب ہماری دعائیں قبول کیسے کرتے ہیں کیسے سنتے ہیں جب کہ آپ لوگوں کا کہنا ہے ہمارے اور آسمان کے درمیان پانچسو برس کی مسافت ہے اور پھر ہر آسمان سے دوسرے آسمان کا فاصلہ ایسا ہی ہے؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ آیت کا سببِ نزول یہ ہے کہ بعض لوگوں نے حضور اکرم ﷺ سے کہا کہ ہمارے پروردگار ہمارے قریب ہیں یا دور ہیں اگر قریب ہیں تو آہستہ پکارلیا کریں اگر دور ہیں تو زور زور سے پکارلیا کریں۔ تب یہ آیت نازل ہوئی اس میں بتلایا گیا کہ اللہ پاک بہت قریب ہیں قبول کرنے کے اعتبار سے یا جاننے کے اعتبار سے اور کہا گیا ہے کہ قریب ہیں اپنے نیک بندوں پر انعام واحسان کرنے کے اعتبار سے (کذا قال الامام القرطبی رص ۳۰۸ رج ۲)۔

معلوم ہوا کہ ایمان والوں کو کثرت سے دعاء کا اہتمام کرنا چاہئے کہ دعاء مؤمن کا ہتھیار ہے اور اللہ پاک کو دعاء کرنا بیحد پسندیدہ ہے اور وہ دعاء کرنے سے بیحد خوش ہوتے ہیں اور نہ کرنے سے ناراض ہوتے ہیں، ایک روایت میں دعاء کو عبادت کا مغز قرار دیا گیا ہے کیونکہ دعاء میں تواضع اور عاجزی کی انتہائی شکل پائی جاتی ہے کہ انسان ہاتھ پھیلا کر مانگتا ہے یہ صورت رب جلیل کو بہت زیادہ پسندیدہ ہے۔ دعاء قبول کب ہوتی ہے؟ حضرت شیخ سہیل بن عبداللہ تستری نے فرمایا کہ دعاء کی سات شرطیں ہیں:

(۱) تضرع، عاجزی، رونا، گڑگڑانا (۲) خوف، ڈر کی کیفیت کا ہونا (۳) رجاء وامید کی کیفیت کا ہونا (۴) مداومت وہمیشگی کیساتھ دعاء کرنا (۵) خشوع وخضوع کے ساتھ دعاء کرنا (۶) عموم یعنی سب کے لئے اگر چہ پہلے اپنے لئے کرے مگر دوسرے کی نفی نہ کرے (۷) اکلِ حلال کا استعمال کرنا۔

ابن عطاء فرماتے ہیں کہ دعاء کے کچھ ارکان ہیں کچھ اسباب ہیں کچھ خاص

اوقات ہیں۔

ارکانِ دعاء: یہ ہیں ! دعاء کرتے وقت دل حاضر ہو نرم ہو اللہ کے سامنے عاجزی خشوع وخضوع کی کیفیت ہو۔

بازوِ دعاء: یہ ہیں ! سچ بولتا ہو، کھانا حلال ہو، لباس صحیح ہو، اوقات دعاء ہوں یعنی آخری شب اور نمازوں کے بعد کے اوقات زیادہ دعاء کے قبول ہونے کے اوقات ہیں ’’فلیستجیبوا لی‘‘ کا ترجمہ ابورجاء الخراسانی نے کیا ہے کہ مجھ ہی سے دعاء کیا کریں، ابن عطیہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا یعنی دعاء کی قبولیت کی درخواست بھی کرے۔

اسباب دعاء: یہ ہیں ! درود شریف و باری تعالیٰ کی حمد وثنا بھی دعاء میں ہو اور بعض علماء نے فرمایا کہ شرائط چار چیزیں ہیں: (۱) جب تنہا ہو تو دل برائیوں سے محفوظ ہو (۲) زبان لوگوں کے ساتھ صحیح استعمال کرے غلط استعمال سے محفوظ رکھے (۳) آنکھ کو غلط دیکھنے سے بچائے (۴) پیٹ کو حرام غذاء سے بچائے۔

حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ ہماری دعاء کیوں قبول نہیں ہوتی ؟ فرمایا اس لئے کہ تم نے اللہ تعالیٰ کو پہچانا مگر ان کی اطاعت کامل نہیں کی۔ تم نے رسول اللہ ﷺ کو پہچانا مگر ان کی سنتوں پر عمل نہیں کیا۔ تم نے قرآن کریم کو پہچانا مگر اس پر عمل نہیں کیا۔ تم نے اللہ تعالیٰ کی نعمتیں کھائیں مگر ان کا شکر ادا نہیں کیا۔ تم نے جنت کو جانا مگر اعمال صالحہ کے ذریعہ اس کو تلاش نہیں کیا۔ جہنم کو جانا مگر اس سے فرار کی راہ اختیار نہیں کی۔ شیطان کو جانا مگر اس کے ساتھ جنگ نہیں کی بلکہ اس کی موافقت کی۔ موت کو جانا مگر اس کے لئے تیاری نہیں کی۔ مردوں کو دفن کیا مگر عبرت نہیں پکڑی۔ اپنے عیوب کو چھوڑ کر دوسروں کے عیوب میں مشغول ہوگئے۔ پھر دعاء کی قبولیت کی امید رکھتے ہو یہ عجیب بات ہے (قرطبی رص۳۱۲ رج ۲)۔

اسلام میں مکمل داخلہ مطلوب ہے

ارشاد باری تعالیٰ ہے: **يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَاۗفَّةً وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ o فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَاۗءَتْكُمُ الْبَيِّنٰتُ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ** (سورۂ بقرہ آیت ۲۰۸)۔

ترجمہ: اے ایمان والو اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے نشانات قدم پر مت چلو، بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے اگر پھسل گئے بعد اس کے کہ تمہارے پاس واضح دلائل آچکے ہیں تو جان لو اللہ غالب ہیں اور حکمت والے ہیں۔

تشریح: علامہ واحدی نیشاپوریؒ ’’الوسیط‘‘ میں لکھتے ہیں کہ آیت کریمہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے اصحاب کے سلسلہ میں نازل ہوئی اور ہوا یہ تھا کہ جب یہ لوگ نبی کریم ﷺ پر ایمان لا چکے اور شریعت مطہرہ پر عمل کرنے لگے تو ایک دفعہ ان لوگوں کے خیال وذہن میں اپنے پرانے دین یہودیت کے بعض احکامات پر عمل کرنے کا جذبہ پیدا ہوا کیونکہ یہ پہلے اس دین پر قائم تھے یہ سوچ کر انہوں نے سنیچر (Saturday) کے دن کی تعظیم شروع کردی اور اونٹوں کا گوشت اور دودھ اپنے اوپر حرام وممنوع قرار دیدیا تو دوسرے مسلمانوں نے اس پر اعتراض کیا کہ یہ کیا طریقہ ہے مسلمان ہونے کے بعد اب دوسرے مذہب پر عمل نہیں کیا جاسکتا، انہوں نے کہا کہ ہم دونوں پر عمل کرنے کا خیال رکھتے ہیں اور یہ بات نبی کریم ﷺ کے سامنے رکھی گئی تو اس سلسلہ میں یہ آیت نازل ہوئی اس میں ان کو اس طرز عمل سے باز رہنے کا حکم دیا گیا اور یہ کہ اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور یہ کہ ایسا خیال شیطانی خیال ہے وہ آہستہ آہستہ اس طرح ایمان اور ہدایت سے دور کرنے کی

سازش کر رہا ہے وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

دیکھو تمہارے پاس قرآن کریم کے ذریعہ ہدایات، مواعظ، اور مکمل نظامِ زندگی آچکا ہے اس کے بعد اگر تم کسی اور دین و مذہب کو اختیار اور پسند کروگے اس میں تمہارے لئے سخت نقصان وخطرہ ہوگا، اللہ پاک انتقام لیں گے اور وہ غالب ہیں ان سے تم کو کوئی نہیں بچا سکے گا اور جو نظام انہوں نے دیا ہے وہ انتہائی حکمت و مصلحت پر مبنی ہے کیونکہ وہ اس نظام کو نازل کرنے والا الحکیم ہے۔

جنت میں داخلہ کے لئے امتحان ہوگا

رحمٰن تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا یَاْتِكُمْ مَثَلُ الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى یَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ اَلَا اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ ۔

ترجمہ: کیا تم نے یہ سمجھ لیا ہے کہ ویسے ہی جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ ابھی تمہارے اوپر گذشتہ لوگوں جیسی باتیں نہیں آئی ہیں ان کو فقر وغربت سے اور مصیبت سے دوچار ہونا پڑتا تھا اور مختلف بلاؤں اور پریشانیوں سے جھڑ جھڑا دئے گئے یہاں تک کہ رسول اور ایمان والے کہنے لگے اللہ تعالیٰ کی نصرت کب آئے گی، خبردار! اللہ کی نصرت قریب ہے۔

تشریح: علامہ واحدی نیشاپوریؒ حضرت عطاءؒ سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ طیبہ ہجرت فرما کر تشریف لے آئے تو چونکہ بہت سے حضرات بلا مال و دولت خالی ہاتھ آ گئے تھے اور اپنا سارا مال و جائیداد مکہ معظّمہ میں کفار کے قبضہ میں چھوڑ کر آگئے تھے اس لئے ان پر شروع کا وقت بہت سخت گذرا۔ ادھر یہ ہوا اور اِدھر یہ ہوا کہ مدینہ طیبہ میں رہنے والے خبیث یہود اپنی شرارت کر رہے تھے اور نبی کریم ﷺ کے خلاف مکمل سازش کر رہے تھے تو اللہ پاک نے قلوب کی راحت کے لئے سمجھانے اور تسلی دینے کے لئے یہ آیت نازل فرمائی کہ دیکھو تم ابھی سے گھبرا گئے ہو حالانکہ تم سے پہلے ایمان والوں کو بھی قسم قسم کی تکالیف اور آزمائش سے گذرنا پڑا ہے، فقر وفاقے، مصیبت و بھوک کی شدت اور دوسری سختیاں انہوں نے بھی برداشت کی تھیں حتیٰ کہ اس دور کے نبی اور ایمان والے پکار اٹھے کہ یا اللہ تیری نصرت کب آئے گی، تب اللہ پاک نے فرمایا کہ عنقریب نصرت آنے والی ہے، لہذا گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے، اس آیت سے موجودہ حالات میں مسلمانوں کے لئے بڑی تسلی کا سامان ملتا ہے۔

ایمان اور ہجرت و جہاد

اللہ پاک کا ارشاد ہے: اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ یَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (سورۂ بقرہ آیت ۲۱۸)۔ ترجمہ: بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے جنہوں نے ہجرت بھی کی اور خدا کی راہ میں جہاد بھی کیا ایسے لوگ تو خدا تعالیٰ کی رحمت کی امید رکھتے ہیں اور وہ مستحق ہیں کہ ان کو رحمتِ خداوندی حاصل ہو اور اللہ پاک بہت معاف کرنے والا اور بہت مہربان ہے۔

تشریح: اس آیت کریمہ سے معلوم ہو رہا ہے کہ ایمان کے ساتھ ہجرت اور جہاد بھی ضروری ہے، یعنی جبکہ ہجرت اور جہاد کا موقع آجائے تو اللہ کے لئے اہلِ ایمان کو تیار رہنا ضروری ہے تب ہی صحیح معنی میں اللہ پاک کی رحمت کے حق دار ہوں گے۔

حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے مکہ معظّمہ جیسی جگہ سے ہجرت کی اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے حکم سے جہاں بیت اللہ تھا مگر عبادت اور فرائض کی ادائیگی مشکل ہو چکی تھی تو بیت اللہ شریف کو چھوڑ کر ایمان کی حفاظت کے لئے مدینہ طیبہ اور حبشہ کا رخ کیا

پہلے حبشہ گئے پھر مدینہ آ گئے تھے اور کفر کی کمر توڑنے کے لئے کفار سے جہاد بھی کیا، اللہ پاک نے ان کے جملہ اعمال قبول فرمائے، واقعی ان حضرات کے واقعات میں بعد میں آنے والوں کے لئے راہِ عمل ہے۔

ایمان والوں کو اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے کا حکم

خالقِ ارض وسمٰوٰت کا ارشاد ہے: یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰکُمْ مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ یَوْمٌ لَّا بَیْعٌ فِیْہِ وَلَا خُلَّۃٌ وَّلَا شَفَاعَۃٌ وَّالْکٰفِرُوْنَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ (سورۂ بقرہ آیت ۲۵۴)۔ترجمہ: اے ایمان والو! خرچ کرو ان چیزوں میں سے جو ہم نے تم کو دی ہیں اس سے پہلے کہ ایسا دن آجائے جس میں نہ خرید وفروخت کا مسئلہ ہوگا اور نہ دوست کام آئیں گے اور سفارش نہیں چلے گی، کافر لوگ ظالم ہیں۔

تشریح: حضرت حسن بصریؒ سے منقول ہے کہ مراد فرض زکوٰۃ ادا کرنا ہے اور ابو اسحٰقؒ نے جہاد میں خرچ کرنا مراد لیا ہے اور بعض نے عام رکھا ہے کہ فرض ہو یا نفل ہو راہِ خدا میں خرچ کرو جس سے دین کو قوت واستحکام حاصل ہو، قیامت کے آنے سے پہلے پہلے وہاں نہ بدل اور فدیہ لیا جائے گا اور نہ سفارش چلے گی یعنی (کفار کے حق میں) یہ سب چیزیں بیکار رہیں گی کیونکہ کفار ظالم ہیں۔

توحید کا باغ (یعنی آیۃ الکرسی)

اللہ لا الہ الا ھو الحی القیوم لا تاخذہ سنۃ ولا نوم لہ مافی السموت وما فی الارض من ذاالذی یشفع عندہ الا باذنہ یعلم ما بین ایدیھم وما خلفھم ولا یحیطون بشئی من علمہ الا بما شاء وسع کرسیہ السموت والارض ولا یؤدہ حفظھما وھو العلی العظیم (سورۂ بقرہ آیت ۲۵۵)۔

ترجمہ: اللہ وہ ذات ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں خدا تعالیٰ کی ذات خود بخود زندہ اور موجود ہے وہی ہر شئی کو قائم رکھنے والا ہے اس کو اونگھ اور نیند نہیں پکڑتی ہے، آسمان اور زمین میں جو کچھ بھی ہے وہ سب اسی کی ملک ہے، کسی کی مجال نہیں ہے کہ بغیر اس کی اجازت کے کوئی سفارش کر سکے، وہ ہی مخلوقات کے تمام اگلے پچھلے احوال کو خوب اچھی طرح جانتا ہے، تمام عقلاء عالم ملکر بھی معلومات خداوندی میں سے کسی ایک معمولی چیز کے علم اور ادراک کا بھی احاطہ نہیں کر سکتے مگر جتنی مقدار وہ تم کو علم دینا چاہے، اسکی کرسی تمام آسمانوں اور زمین کو گھیرے ہوئے ہے اور اپنے اندر سمائے ہوئے ہے، آسمانوں اور زمینوں کی حفاظت ونگہبانی اس پر ذرہ برابر شاق اور گراں نہیں (اور کیسے اس پر گراں ہو سکتی ہے) وہ بڑا عالی شان اور بلند مرتبہ والا ہے۔

تشریح: اس آیت کو آیت الکرسی کہتے ہیں جس میں حق تعالیٰ شانہ کی توحیدِ ذاتی اور صفاتی کا ذکر ہے، توریت وانجیل اور کتب سابقہ کے دیکھنے والے خوب جانتے ہیں کہ حق تعالیٰ کے ذاتی وصفاتی کمالات کا جس قدر اس میں بیان ہے ان کتابوں میں اس کا کوئی خاص حصہ نہیں ہے، سب سے پہلے توحید ذاتی کا بیان ہے۔

''اللہ لا الہ الا ھو'' (ان کے سوا کوئی اور معبود نہیں ہے)۔

''الحی'' کمالات وجود میں سب سے پہلا کمال حیات ہے ''حی'' لغت میں اس زندہ شئی کو کہتے ہیں کہ جو واقف ہو اور سنتا، دیکھتا اور قادر ہو، پس صفت حیات تمام صفات کمال کا مبداء ہے (معارف القرآن ادریسی)

''القیوم'' یعنی کائنات کو قائم اور باقی رکھنے والا۔ ''حی'' سے خدا کا واجب الوجود ہونا بیان کیا اور قیوم سے واہب الوجود ہونا بیان کیا ہے، یعنی بذاتہ اور بنفسہ وہ واجب الوجود ہے اور دوسروں کو وجود وحیات ہبہ اور عطا کرنے والا ہے، ممکنات میں جو وجود بھی ہے وہ اسی

واجب الوجود کا ہبہ اور عطیہ ہے۔ صفت حیات کا ذکر کر کے کمال وجود کو بیان فرمایا، صفت قیومیت کا ذکر کر کے کمال ایجاد کو بیان فرمایا (معارف القرآن)۔

''**لاتأخذہ سنة ولا نوم**'' اس کو نہ اونگھ پکڑتی ہے نہ نیند۔ اس سے حق تعالیٰ کا تغیرات اور حوادث اور خصائص ممکنات سے پاک اور بری ہونا بیان فرمایا، یہ جملہ ''**الحی القیوم**'' کی تاکید ہے کیونکہ اونگھ اور نیند سے حیات میں نقصان آتا ہے اس لئے کہ نیند موت کی بہن ہے۔ خدا تعالیٰ موت کے شائبہ سے بھی پاک اور منزہ ہیں، علاوہ ازیں جس کی حیات ناقص ہوگی اس کی قیومیت یعنی حفاظت ونگرانی بھی ناقص اور کمزور ہوگی، لہٰذا ''**لاتأخذہ سنة ولا نوم**'' کا مطلب یہ ہوا کہ وہ ایسا قیوم اور مدبر ہے کہ ایک لمحہ بھی تدبیر سے غافل نہیں ہوسکتا، وہ اپنی قیومیت میں سہو اور نسیان وسستی سے پاک اور منزہ ہے۔

''**لہ ما فی السموت وما فی الارض**'' اس جملہ سے صفت مالکیت کو ثابت کرنا ہے کہ وہ آسمانوں اور زمینوں کا مالک ہے، اس لئے کہ مالک حقیقی وہ ہے کہ جو وجود عطا کرے، پس جس نے آسمانوں اور زمینوں کو وجود عطا کیا اور جو ان کے وجود کو قائم رکھنے والا اور تھامنے والا ہے وہی ان کا مالک حقیقی ہے۔

''**من ذاالذی یشفع عندہ الا باذنہ**'' اس جملہ سے اس کی مالکیت کا جلال اور کبریائی کو بیان کرنا مقصود ہے کہ اس کی بارگاہ عالی میں کسی کی مجال نہیں کہ بغیر اس کی اجازت کے لب کشائی کر سکے، کوئی سفارش نہیں کر سکتا مگر جس کو اجازت دے دیں وہی کر سکتا ہے۔

''**یعلم مابین ایدیھم وما خلفھم**'' اس جملہ میں اس کے علم محیط کو بیان فرمایا ہے کہ اس کا علم مخلوقات کے تمام احوال کو محیط ہے کوئی شئی اس کے علم سے باہر نہیں۔

''**ولایحیطون بشئی من علمہ الا بما شاء**'' اس جملہ میں یہ بتلایا گیا کہ جس طرح مخلوقات کا وجود عطیۂ خداوندی ہے اسی طرح مخلوقات کا علم بھی عطیۂ خداوندی ہے، بندے فقط اتنی مقدار جان سکتے ہیں جتنا وہ چاہے، بندے کا علم اس کی مشیت کے تابع ہے، بندہ کا علم نہایت ہی قلیل اور محدود ہے۔

''**وسع کرسیہ السموت والارض**'' اس جملہ میں یہ بتایا ہے کہ حق تعالیٰ کی حاکمیت ومالکیت آسمانوں اور زمینوں کو شامل ہے، اس کی حاکمیت سے کوئی شئی خالی نہیں ہے۔

''**ولا یؤدہ حفظھما**'' اور اللہ تعالیٰ کو آسمانوں اور زمینوں کی حفاظت ذرّہ برابر گراں نہیں، اس جملہ سے یہ بتلانا ہے کہ اس کی صفت قدرت اور قیومیت ضعف اور نقصان سے پاک اور منزہ ہے۔

''**وھو العلی العظیم**'' اس جملہ میں اللہ تعالیٰ کی صفتِ علو وعظمت کو بیان فرمایا ہے۔

فضیلت آیۃ الکرسی وسورۂ بقرہ

مستدرک حاکم میں ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ **سورة البقرة فیھا اٰیة سید ای القرآن لا تقرأ فی بیت فیه شیطان الّا خرج منه وھی آیة الکرسی۔**

سورۂ بقرہ میں ایک آیت ہے جو تمام آیاتِ قرآن کی سردار ہے وہ آیۃ الکرسی ہے، جس گھر میں وہ پڑھی جاتی ہے شیطان اس سے نکل جاتا ہے، صحیح مسلم وغیرہ میں ابی بن کعب سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ اے ابوالمنذر قرآن میں سب سے عظیم یعنی سب سے بڑی آیت کون سی ہے؟ میں نے کہا **اللہ لآ الٰہ الا ھو الحی القیوم** آنحضرت ﷺ نے میرے سینے پر ہاتھ مارا اور یہ فرمایا اے ابوالمنذر! علم تمہیں مبارک ہو، اور اسی طرح حضرت عمر اور

حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت عبداللہ بن عباس رضوان اللہ علیہم اجمعین اور دیگر صحابہ کرامؓ سے منقول ہے کہ تمام آیتوں کی سردار اور سب سے بڑی آیت آیۃ الکرسی ہے (درّ منثور رص ۳۲۵ ج ۱) اسی بناپر کہا جاتا ہیکہ اسم اعظم اللہ لا الٰہ الا ھوا لحی القیوم ہے اور عیسیٰ علیہ السلام جب مردوں کو زندہ کرنے کا ارادہ فرماتے تو یا حی یا قیوم پڑھ کر دعاء فرماتے، اور آصف بن برخیا نے جب بلقیس کے عرش کو لانے کا ارادہ کیا تو یا حی یا قیوم پڑھ کر دعاء مانگی (تفسیر قرطبی رص ۲۶ ج ۳)۔

حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ آیۃ الکرسی سورۂ بقرہ کا قلب ہے اور الحی القیوم بمنزلۂ روح اور جان ہے اور باقی جسم اعضاء وجوارح کے مانند ہے۔

مزید فضیلت احادیث کی روشنی میں

(۱) لکل شئی سنام وان سنام القرآن سورۃ البقرۃ وفیھا آیۃ ھی سیدۃ ای القرآن اٰیۃ الکرسی ، روی عن ابی ھریرۃؓ ۔ترجمہ: ہر چیز کیلئے کوہان (بلند مرتبہ) ہے اور قرآن پاک کی کوہان سورۂ بقرہ ہے، اسمیں ایک آیت ہے آیۃ الکرسی جو تمام آیات قرآنیہ کی سردار ہے۔

(۲) اعطیت اٰیۃ الکرسی من تحت العرش (عن الحسن مرسلاً) ترجمہ: مجھے عرش کے نیچے سے آیت الکرسی دی گئی ہے۔

(۳) من قرأ اٰیۃ الکرسی دبر کل صلاۃ مکتوبۃ لم یمنع من دخول الجنۃ (عن ابی امامۃ) ترجمہ: جس نے ہر فرض نماز کے بعد آیت الکرسی پڑھی اس کو جنت میں داخل ہونے سے نہیں روکا جائے گا۔

(۴) آیۃ الکرسی ربع القرآن، ترجمہ: آیۃ الکرسی قرآن کا چوتھائی حصہ ہے۔

(۵) اعظم آیۃ فی القرآن آیۃ الکرسی واعدل آیۃ فی القرآن (اِنَّ اللّٰہَ یَأمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ) الیٰ آخرھا، واخوف آیۃ فی القرآن (فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ خَیْرًا یَّرَہٗ وَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ شَرًّا یَّرَہٗ) وارجی آیۃ القرآن (قُلْ یَا عِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰی اَنْفُسِھِمْ لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَّحْمَۃِ اللّٰہِ) الزمر آیت ۵۳. عن ابن مسعودؓ ، ترجمہ: قرآن پاک کی سب سے بڑی آیت (مرتبہ کے اعتبار سے) آیۃ الکرسی ہے اور قرآن پاک کی جس آیت میں عدل وانصاف کو بیان کیا گیا ہے وہ ہے **ان اللہ یأمر بالعدل الاٰیۃ** ۔بے شک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے اور احسان کرنے کا حکم کرتا ہے اور قرآن پاک کی جس آیت میں خوف دلایا گیا وہ ہے **فمن یعمل مثقال الاٰیۃ** ۔پس جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہوگی اور جس نے ذرہ برابر بدی کی ہوگی ہر ایک کو اپنا کئے ہوئے کا بدلہ ملے گا۔ اور قرآن کی جس آیت میں امید کا تذکرہ ہے وہ **قُلْ یا عِبَادِیَ الَّذِی الاٰیہ** ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ اے میرے بندو جنہوں نے (کفر وشرک کرکے) اپنے اوپر زیادتیاں کی ہیں تم اللہ کی رحمت سے ناامید مت ہو۔

(۶) افضل سورۃ القرآن البقرۃ وافضل آی القرآن آیۃ الکرسی (عن ربیعۃ الجریشی) ۔ترجمہ: قرآن پاک کی سب سے افضل سورت سورۂ بقرہ ہے اور سب سے افضل آیت آیۃ الکرسی ہے۔

(۷) البقرۃ سنام القرآن وذروتہ ونزل مع کل آیۃ منھا ثمانون ملکاً واستخرجت اَللّٰہُ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمَ من تحت العرش فوصلت بھا ویٰسین قلب القرآن لا یقرأبھا رجل یرید اللہ والدار الآخرۃ الا غفرلہ واقرؤ ھا علی موتاکم (عن معقل بن یسار) ۔ترجمہ: سورۂ بقرہ قرآن کی کوہان اور اس کی

بلندی ہے اوراس کی ہر آیت کے ساتھ اسّی فرشتے اترتے ہیں اورعرش کے نیچے خزانہ سے **الله لا الٰه الا هو الحی القیوم** کوظاہر کیا گیا ہے اورسورۂ یٰسین قرآن پاک کا دل ہے جو شخص اس کو اللہ تعالیٰ اور آخرت کیلئے پڑھتا ہے وہ ضرور بخشا جائے گا اوراس سورۂ یٰسین کو اپنے مردوں پر پڑھو۔

(۸) لیس شیٔ اشدّعلی مردۃ الجن من ھٰؤلٰئک آیات فی سورۃ البقرۃ والھکم الٰه واحدالأیه۔ترجمہ: سورۂ بقرہ کی آیت میں سے کوئی آیت سرکش شیطان پر اتنی زیادہ سخت نہیں جتنی سخت یہ آیت ہے وَاِلٰھُکُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ الآیہ۔

(۹) یا ابا المنذر اتدری ای آیة معک فی القرآن اعظم؟ قال آیة الکرسی قال لیھنک العلم یااباالمنذر فوالذی نفسی بیده ان لها لساناً یوم القیامة وشفتین کعب وروی عن ابی الٰی قوله یا ابا المنذر ۔ترجمہ:اے ابومنذر کیا آپ کو معلوم ہے کہ قرآن پاک کی سب سے بڑی آیت (مرتبہ کے اعتبار سے) کونسی ہے؟ فرمایا کہ آیۃ الکرس۔فرمایا کہ تم کو علم مبارک ہوا ے ابومنذر،قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضے میں میری جان ہے اس آیت کی قیامت کے دن زبان ہوگی اور دو ہونٹ ہونگے۔

(۱۰) اعطیت آیت الکرسی من کنزتحت العرش ولم یوتها نبی قبلی عن علیؓ ۔ترجمہ: مجھے آیۃ الکرسی دی گئی ہے جو عرش کے نیچے خزانوں میں سے ہے۔مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئی ہے۔

(۱۱) من قرأ فی دبر کل صلاۃ مکتوبة آیة الکرسی حفظ الٰی الصلاۃ الاخریٰ ولا یحافظ علیها الا نبی او صدیق او شھید (وضعفه عن انسؓ) ۔ترجمہ: جس نے ہر فرض نماز کے بعد آیۃ الکرسی پڑھی تو وہ دوسری نماز تک محفوظ رہتا ہے اوراس کی مواظبت ومداومت صرف نبی،صدیق اورشہید کرتا ہے۔

(۱۲) من قرأ آیة الکرسی دبر کل صلاۃ مکتوبة کان فیه ذمة الله الی الصلاۃ الاخریٰ (عن الحسین بن علی عن علیؓ) ۔ترجمہ: جس نے ہر فرض نماز کے بعد آیۃ الکرسی پڑھی دوسری نماز تک اللہ کے ذمہ میں ہوتا ہے۔

(۱۳) من قرأ آیة الکرسی دبر کل صلاۃ کان الذی یلی قبض روحه ذوالجلال والاکرام وکمن قاتل عن انبیاء الله ورسله حتی یستشھد (عن زید المروزی) ۔ترجمہ: جس نے ہر فرض نماز کے بعد آیۃ الکرسی پڑھی تو ان لوگوں میں سے ہوگا جن کی روح اللہ تبارک وتعالیٰ نکالتے ہیں اور ایسا ہوگا جیسا کہ وہ شخص اللہ کے نبیوں اور رسولوں کی طرف سے جہاد کرے، یہاں تک کہ شہید کردیا گیا ہو۔

(۱۴) من قرأ آیة الکرسی دبر کل صلاۃ مکتوبة کان لم یمنع من دخول الجنة الا الموت ومن قرأها حین یاخذ مضجعه آمنه الله تعالیٰ علی داره ودارجره ودویراۃ (عن علیؓ) ۔ترجمہ: جس نے ہر فرض نماز کے بعد آیۃ الکرسی پڑھی اس کو موت کے سوا کوئی چیز جنت میں داخل ہونے سے نہیں روکتی ہے، اور جس نے آیۃ الکرسی سونے کے وقت پڑھی تو وہ اور اس کا گھر اور اس کے پڑوسی کا گھر اور اس کے آس پاس کے گھر سب اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں ہوتے ہیں۔

(۱۵) من قرأ آیة الکرسی فی دبر کل صلاۃ مکتوبة لم یحل بینه وبین دخول الجنة الاالموت (عن ابی امامة)۔ترجمہ: جس نے ہر فرض نماز کے بعد آیۃ الکرسی پڑھی اس کے درمیان اور دخولِ جنت کے درمیان صرف موت ہی حائل ہوتی ہے۔

(۱٦) من قرأ آیة الکرسی وقل هو الله احد دبر کل صلاۃ مکتوبة لم

یمنعه من دخول الجنة الا الموت (عن ابی امامة) ۔ترجمہ: جس نے ہر فرض نماز کے بعد آیۃ الکرسی اور قل ھو اللہ احد کو پڑھا تو اس کو دخولِ جنت سے صرف موت ہی روکتی ہے۔

اب آیۃ الکرسی کی مناسبت سے کچھ توحید کے فضائل لکھے جاتے ہیں:

فضیلتِ توحید

(۱) عن عبادة بن الصامت رضی الله عنه قال سمعت رسول الله ﷺ یقول من شهد ان لا اله الا الله وان محمد رسول الله ﷺ حرم الله علیه النار (رواه مسلم) ترجمہ: حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے میں نے سنا رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے جو گواہی دے یہ کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور بیشک محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں تو حرام کردیگا اللہ تعالیٰ اس پر جہنم کو۔

(۲) عن معاذ بن جبل ؓ قال قال لی رسول الله ﷺ مفاتیح الجنة شهادة ان لا اله الا الله (رواه احمد) ۔ترجمہ: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مجھ کو ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ جنت کی کنجیاں گواہی دینا ہے اس بات کی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔

(۳) عن جابر ؓ قال قال رسول الله ﷺ ثنتان موجبتان قال رجل یا رسول الله ما الموجبتان قال من مات یشرک بالله شیئا دخل النار ومن مات لایشرک بالله شیئا دخل الجنة (رواه مسلم) ترجمہ: حضرت جابر ؓ سے مروی کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دو چیزیں واجب کرنے والی ہیں، عرض کیا ایک آدمی نے یا رسول اللہ ﷺ وہ کیا ہیں دو واجب کرنے والی چیزیں؟ ارشاد فرمایا کہ جو شخص مر گیا حال یہ کہ شریک کرتا تھا اللہ کے ساتھ کسی کو تو داخل ہوگا وہ جہنم میں اور جو شخص مر گیا حال یہ کہ شریک نہیں کرتا تھا کسی کو اللہ کے ساتھ داخل ہوگا جنت میں (مسلم شریف)۔

(۴) عن ابی هریرة ؓ عن النبی ﷺ اذهب فمن لقیت یشهد ان لا اله الا الله مستیقناً بها قلبه فبشره بالجنة (رواه البیهقی فی شعب الایمان ۳۹) ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ ؓ سے مروی ہے وہ بیان کرتے ہیں نبی کریم ﷺ سے کہ جاؤ جو شخص ملے حال یہ کہ وہ گواہی دیتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں یقین کرتا ہوا اپنے دل میں اس کا پس اس کو خوشخبری دو جنت کی۔

(۵) عن معاذ بن جبل ان رسول الله ﷺ قال من مات وهو یشهد ان لا اله الا الله وان محمداً رسول الله صادقاً من قلبه دخل الجنة (رواه البیهقی فی شعب الایمان) ۔ترجمہ: حضرت معاذ بن جبل ؓ سے مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ جو شخص مر گیا حال یہ کہ گواہی دیتا تھا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اس بات کی کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں سچے دل سے، وہ داخل ہوگا جنت میں۔

(۶) عن ابی قتادة ؓ قال قال رسول الله ﷺ من شهد ان لا اله الا الله وان محمداً رسول الله فذل بها لسانه واطمأن قلبه لم تطعمه النار (رواه البیهقی فی شعب الایمان) ۔ترجمہ: حضرت ابو قتادہ ؓ سے مروی ہے ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ جو شخص گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، اس کی زبان اس شہادت کے ساتھ لگ گئی ہو اور اس کا دل اس پر مطمئن ہو تو نہیں کھائے گی اس کو جہنم کی آگ۔

کرسی سے کیا مراد ہے؟

علامہ ابن الجوزیؒ نے زاد المسیر ص ۲۵۱ ر میں تین اقوال بیان فرمائے ہیں: (۱) ”کرسی“

وہ ہے جو ساتوں آسمانوں کے اوپر ہے جو تمام آسمانوں اور زمینوں پر حاوی ہے (۲) کرسی ہی خود عرش ہے، یہ حسن بصریؒ کا قول ہے، صاحب روح المعانی نے سلف صالحین کی ایک بڑی جماعت کی طرف منسوب کرکے لکھا ہے کہ کلام میں تمثیل ہے، حقیقت میں کرسی مراد ہے اور نہ قاعد اور نہ قعود بلکہ عظمت باری تعالیٰ اور ان کی عظیم الشان قدرت وطاقت اور علم محیط کا اظہار ہے، اور بعض عارفین نے فرمایا ہے کہ ''کرسی'' اللہ پاک کی صفات فعلیہ ...... کی تجلیات کے اظہار سے کنایہ ہے جو کہ تمام آسمانوں اور زمینوں پر محیط ہے۔

اللہ پاک ایمان والوں کے دوست ہیں

ارشاد باری تعالیٰ ہے: اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ آمَنُوْ ا یُخْرِجُھُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ اِلَی النُّوْرِ (سورۂ بقرہ) وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا اَوْلِیٰئُھُمُ الطَّاغُوْتُ یُخْرِجُوْنَھُمْ مِنَ النُّوْرِ اِلَی الظُّلُمَاتِ اُولٰٓئِکَ اَصْحَابُ النَّارِ ھُمْ فِیْھَا خَالِدُوْنَ (سورہ بقرہ) ترجمہ: اللہ ایمان والوں کے ناصر ومددگار ہیں یعنی اپنی نصرت اور مدد سے مسلمانوں کے بہت قریب ہیں وہ ان کو کفر وگمراہی اور معاصی کی تاریکیوں سے ہدایت وایمان کے نور کی طرف نکالنا چاہتے ہیں اور جو کفار ہیں ان کے دوست شیطان، وہ ان کو نور سے تاریکیوں میں نکالتے ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

تشریح: ان دو آیات میں یہ تذکرہ آیا ہے کہ جو شیطان وبتوں کا انکار کرے گا اللہ پاک پر ایمان لائے گا تو اس نے مضبوط حلقہ پکڑ لیا ہے، جو چھوٹنے والا نہیں ہے اور اس کی برکت سے وہ جنت میں اللہ پاک کی رضا اور خوشنودی کے ساتھ داخل ہوگا، کیونکہ خالق تعالیٰ شانہ ایمان والوں کے ناصر ومعاون ہیں، وہ ایمان والوں کو برائیوں کی تاریکیوں سے نور وہدایت میں نکالتے ہیں ہدایت وایمان کی برکت سے، بخلاف کافروں کے کہ وہ کفر وشرک کی تاریکیوں میں مبتلا رہتے ہیں جس کا انجام جہنم ہے۔

ایمان والو اپنے صدقات باطل مت کرو

ارشاد باری تعالیٰ ہے: یٰاَ یُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْ الَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِکُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰی کَالَّذِیْ یُنْفِقُ مَالَہٗ رِئَاءَ النَّاسِ وَلَا یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَمَثَلُہٗ کَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَیْہِ تُرَابٌ فَاَصَابَہٗ وَابِلٌ فَتَرَکَہٗ صَلْدًا لَا یَقْدِرُوْنَ عَلٰی شَیْءٍ مِّمَّا کَسَبُوْا وَاللّٰہُ لَایَھْدِی الْقَوْمَ الْکَافِرِیْنَ (سورۂ بقرہ)۔

ترجمہ: اے ایمان والوں اپنے صدقات اور خیرات کو احسان جتا کر، تکلیف پہنچا کر باطل مت کرو، اس شخص کی طرح جو اپنے مال کو لوگوں کے دکھاوے کے لئے خرچ کرتا ہے اور اللہ پاک اور قیامت پر ایمان نہیں رکھتا ہے، اس کی مثال اس پتھر کے جیسی ہے جس پر تھوڑی سی مٹی پڑی ہو اور اس پر زوردار بارش پڑ جائے اور بالکل صاف ہو جائے، ایسے ہی یہ لوگ بھی اپنے اعمال کا ثواب بالکل نہیں پاسکیں گے اور اللہ پاک کافر لوگوں کو سیدھا راستہ نہیں دکھاتے ہیں۔

تشریح: ان آیات میں بڑی عبرت اور بصیرت ہے جو اپنا مال راہِ خدا میں خرچ تو کرتے ہیں اور جس کو دیا اس کو تکلیف دیتے ہیں، اس طرح کی حرکت سے انکا خرچ کرنا بے سود اور بے فائدہ ہو جاتا ہے، انکو آخرت میں اس کا ثواب نہیں ملے گا۔

اے ایمان والو! ایسا نہ کرو یہ تو منافق جیسا کام ہوگیا جو محض لوگوں کو دکھانے کے لئے خرچ کرتا ہے کہ نہ ایمان نہ ثواب کی امید اس کے پیش نظر ہے۔ اس منافق کی مثال ایسی ہے کہ کوئی چکنا پتھر ہے، اس پر گرد وغبار ہے جو نظر آرہا ہے اس میں کسی نے دانا بودیا، لیکن تیز بارش ہوئی اور وہ بالکل صاف ہوگیا، نہ مٹی رہی نہ دانا باقی رہا۔ اسی طرح قیامت میں اس کا عمل باطل

ہوجائے گا، کیونکہ وہ اللہ کی رضاء کے لئے نہیں تھا، جس طرح بارش نے گردوغبار کو صاف کردیا، اسی طرح ریاکاری واحسان جتانا اور تکلیف پہنچانا صدقہ کے ثواب کو ختم کرنے والی چیزیں ہیں ،جس کے سبب آخرت میں عمل کا بدلہ اس کے ہاتھ نہ لگے گا، اور یہ بالکل خالی ہاتھ رہ جائے گا اور اللہ پاک کفار کو ہدایت نہیں دیتے ،یعنی کُفر پر رہتے ہوئے ان کو ہدایت کیسے مل سکتی ہے؟، کفر چھوڑ دے تو ہدایت ملے گی۔

علامہ بغویؒ نے فرمایا کہ مطلب یہ ہے کہ اللہ پاک کافروں کو آخرت میں جنت وثواب تک نہیں پہنچائیں گے، جنت کا راستہ اور ثواب ایمان پر موقوف ہے۔

خراب مال خرچ نہ کرو

ارشاد باری تعالیٰ ہے: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّاۤ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّاۤ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ (بقرہ آیت ۲۶۷)۔

ترجمہ: اے ایمان والو! اپنے کمائے ہوئے عمدہ مال میں سے خرچ کرو (راہِ خدا میں) اور جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے پیدا کیا ہے غلہ، سبزیاں وغیرہ اس میں سے بھی خرچ کرو اور بری چیزوں کو دینے کا ارادہ نہ کرو جس کو تم خود بھی لینا پسند نہیں کرتے، اگر تم چشم پوشی سے کام لو، اس بات کو جان لو کہ بیشک اللہ پاک غنی ہے اور قابل تعریف بھی ہے۔

تشریح: علامہ واحدیؒ الوسیط میں لکھتے ہیں کہ امام مجاہدؒ نے فرمایا کہ ماکسبتم سے مراد تجارت ہے، مطلب یہ ہے کہ زکوٰۃ ادا کرو تجارت اور صنعت سے کمائے ہوئے مال ودولت کی اور ممااخرجنالکم سے مراد غلہ جات اور سبزیاں ہیں، ان میں بھی زکوٰۃ ہے جس کا نام عشر ہے وہ ادا کرو مگر اچھا مال خرچ کرنا چاہئے، خراب مال خرچ کرنے سے ثواب نہیں ملے گا، یہ احکام تمہارے فائدہ کے لئے ہیں ورنہ اللہ پاک تمہارے صدقات سے مستغنی ہیں، ان کو اپنی ذات کے لئے کوئی ضرورت نہیں اور قابل حمد وثنا ہیں، اپنے احسانات وانعامات کی وجہ سے۔

ایمان اور نیک عمل پر بشارت

اللہ پاک کا ارشاد ہے: اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (سورۂ بقرہ آیت ۲۷۷)۔

ترجمہ: بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل اختیار کئے اور نماز قائم کی اور زکاۃ ادا کی ان کے لئے ان کے رب کے پاس عظیم اجر وثواب ہوگا، ان پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ کفار کی طرح رنج وتکلیف میں مبتلا ہونگے۔

ایمان والو! سود چھوڑو

اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوۤا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ، فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ (بقرہ آیت ۲۷۸)۔

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ پاک سے ڈرو اور سودی کاروبار چھوڑ دو اگر تم واقعی ایمان والے ہو، اگر تم باز نہیں آؤ گے تو اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ اور اگر تم توبہ کرلوگے سود سے تو تمہارے لئے اصل مال لینا درست ہے، نہ تم ظلم کرو کہ زیادہ طلب کرنے لگو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے کہ اصل مال سے کم کیا جائے۔

تشریح: علامہ واحدیؒ الوسیط میں لکھتے ہیں کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو

سودی کاروبار کرنے والے قبیلہ ثقیف کے لوگ کہنے لگے کہ ہم سب اللہ پاک کی طرف توبہ کرتے ہیں، ہم میں اللہ اور ان کے رسول ﷺ سے مقابلۂ جنگ کی طاقت نہیں ہے اور وہ اصل مال (بلاسود) پر راضی ہو گئے، یہ تھا صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا جذبۂ اطاعت، آج کل کے لوگوں کی طرح نہیں کہ ہزاروں وعیدیں سن کر بھی توبہ کرنے کے لئے تیار نہیں، الا ماشاء اللہ۔ علامہ شوکانیؒ لکھتے ہیں کہ مسلمان بادشاہ کو چاہئے کہ سودی کاروبار کرنے والوں کو توبہ کرنے اور سود سے باز رہنے کی تلقین کرے، اگر باز نہ آئیں تو وہ انکو مار بھی سکتا ہے (فتح القدیر ا/ص ۲۹۸)۔

ایمان والوں کو ادھار کے معاملات لکھنے کا حکم

ارشادِ باری تعالیٰ ہے یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَایَنْتُمْ بِدَیْنٍ اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی فَاکْتُبُوْہُ (سورہ بقرہ)۔

ترجمہ: اے ایمان والو جب تم کوئی ادھار کا معاملہ کرو کسی خاص مدت تک تو لکھ لیا کرو۔

تشریح: کیونکہ نہ لکھنے کی صورت میں بعض دفعہ بھول ہو جاتی ہے اور نزاع وفساد واقع ہو جاتا ہے اور لکھنے کی شکل میں نزاع اور فساد کا امکان نہیں رہتا یا کم رہتا ہے، الوسیط میں لکھتے ہیں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ادھار کے معاملات میں لکھنے اور گواہ بنانے کا حکم فرما رہے ہیں، دوسری بات آیت کریمہ سے یہ معلوم ہوئی کہ ادھار کے معاملات میں میعاد متعین ہونا بھی ضروری ہے۔

خاتمۂ سورۂ بقرہ کی فضیلت

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ، لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ، رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا اَنْتَ مَوْلٰنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ (بقرہ)۔

ترجمہ: رسول بھی ایمان لاتے ہیں ان چیزوں پر جو نازل کی گئی ہیں ان کی طرف ان کے رب کی طرف سے اور ایمان والے بھی سب ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اسکے پیغمبروں پر کہ ہم اس کے پیغمبروں میں کسی میں تفریق نہیں کرتے اور ان سب نے یوں کہا کہ ہم نے سنا اور خوشی سے مانا، ہم آپ کی بخشش چاہتے ہیں، اے ہمارے پروردگار اور آپ ہی کی طرف لوٹنا ہے، اللہ تعالیٰ کسی شخص کو مکلّف نہیں بناتا مگر اسی کا جو اس کی طاقت میں ہو کہ ثواب بھی اسی کا ملے گا جو ارادہ سے کرے اور اس پر عذاب بھی اسی کا ہوگا جو ارادہ سے کرے، اے ہمارے رب ہم پر دارو گیر (پکڑ) نہ فرمائیے اگر ہم بھول جائیں یا چوک جائیں، اے ہمارے رب ہم پر کوئی سخت حکم نہ بھیجئے جیسے ہم سے پہلے لوگوں پر آپ نے بھیجے تھے۔ اے ہمارے رب اور ہم پر کوئی ایسا بار نہ ڈالئے جس کی ہم کو سہار (طاقت) نہ ہو اور درگزر کیجئے ہم سے اور بخش دیجئے اور رحم کیجئے ہم پر آپ ہمارے کارساز ہیں سو آپ ہمکو کافر لوگوں پر غالب کیجئے۔

تشریح: (۱) علامہ زجاج رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے سورۂ بقرہ میں نماز، زکوٰۃ، نکاح، طلاق وغیرہ احکامات نازل فرمائے آخر میں یہ بتادیا کہ ان سب احکامات کو نبی اور دیگر ایمان والے صحیح مانتے ہیں اور ان پر ایمان رکھتے ہیں اور ساتھ یہ

دعاء بھی کرتے ہیں رَبَّنَا لَاتُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِیْنَا الآیۃ۔

(۲) ان آیات مبارکہ میں ایک خاص طرز سے دعاء کرنے کی تلقین فرمائی گئی ہے اور یہ کلمات مولیٰ جلیل رحمٰن وغفّار کو بیحد پسند ہیں اس لئے ان کو بطور خاص دعاء وغیرہ میں پڑھتے رہنا چاہیئے۔

ان آیات کی فضیلت میں وارد ہونے والی احادیث

(۱) حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نقل کرتے ہیں کہ رحمتِ دوعالم ﷺ نے فرمایا جو سورۂ بقرہ کی ان آخری آیات کو کسی شب میں تلاوت کرے تو یہ اس کے لئے کافی ہیں۔(۲) نعمان بن بشیر سے منقول ہے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ اللہ پاک نے آسمان اور زمین کو پیدا کرنے سے دوہزار سال پہلے ایک کتاب لکھی تھی اور اس میں سے یہ آیات بھی ہیں جن پر سورۂ بقرہ کا اختتام ہے، یہ آیات اگر کسی مکان میں پڑھی جائیں تو وہاں شیطان قریب نہ آسکے گا۔(۳) حضرت حذیفہؓ سے منقول ہے کہ رسولِ کریم ﷺ نے فرمایا کہ یہ آیات عرش کے نیچے ایک خزانہ ہے وہاں سے بطور خاص دی گئی ہیں، اس سے قبل کسی نبی کو یہ دولت نصیب نہیں ہوئی۔(۴) عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا معراج میں تین چیزیں مجھے خاص طور پر دی گئی ہیں (۱) پانچ نمازیں (۲) یہ آیاتِ مبارکہ (۳) یہ کہ تیری امت کے گناہِ کبیرہ معاف ہونگے جو شرک سے بچے گا۔ یہ وہ چیزیں ہیں جو آپ ﷺ سے پہلے کسی کو نہیں ملی ہیں (فتح القدیر، شوکانی)۔

اللہ پاک کے یہاں پسندیدہ دین اسلام ہے

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ (آل عمران)۔

ترجمہ: گواہی دی اللہ پاک نے (کتب سماویہ میں) اس بات کی کہ اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے اور فرشتوں نے بھی گواہی دی اور علم والوں نے بھی گواہی دی اور وہ معبود بھی اس شان کے ہیں کہ ہر چیز کا اعتدال کے ساتھ انتظام رکھنے والے ہیں اور حکمت والے ہیں اور بے شک محبوب وپسندیدہ دین اللہ پاک کے نزدیک مذہبِ اسلام ہے۔

تشریح: علامہ واحدی الوسیط میں لکھتے ہیں: کہ زجاج نے فرمایا شھد کے معنی یہ ہیں کہ اللہ پاک نے تمام مخلوق کے اندر اپنی توحید کے دلائل پیدا کردیئے ہیں کہ جن سے اللہ پاک کی ربوبیت اور توحید پر استدلال ہوسکتا ہے۔ بطور خاص اللہ پاک کی توحید کا اعلان فرشتے اور علم والے یعنی انبیاء ورسل اور تمام ایمان والے اہل علم مہاجرین وانصار ہو یا بعد والے یا دوسری کتابوں کے ماننے والے اہل حق ایمان دار کرتے ہیں اور کرتے رہیں گے اور بے شک اسلام ہی اللہ پاک کو پسند اور محبوب ہے، اس آیت کریمہ میں علماء کی کس قدر فضیلت ثابت ہوتی ہے کہ اللہ پاک نے اپنے بعد فرشتوں کا تذکرہ فرمایا اور ان کے بعد تیسرے نمبر پر علماء کا تذکرہ فرمایا ہے، یہ آیت شہادت کی آیت کہلاتی ہے۔ اس کی ایک خاص شان اور فضیلت ہے، علامہ ابن منذرؒ نے حضرت سعید ابن جبیرؒ سے نقل کیا ہے کہ بیت اللہ شریف کے اردگرد ۳۶۰ بُت رکھے ہوئے تھے ہر قبیلہ وخاندان کا الگ مستقل بت تھا اللہ پاک نے جب یہ آیت نازل فرمائی تو تمام بت اللہ پاک کو سجدہ کرنے کیلئے گر گئے۔

نیز حضرت علیؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ سورۂ فاتحہ اور آیت الکرسی اور آل عمران کی یہ آیت اور قل اللھم مالک الملک والی آیت عرش کے نیچے معلق رہتی ہے اور زمین پر اترنے کیلئے کہتی ہے اللہ پاک نے فرمایا میری قسم

جوان آیات کونمازوں کے بعد پڑھے گا تو جنت اسکا ماوٰی وملجاء بنادوں گا اوراس کوحظیرۃ القدس میں جگہ دونگا اور اپنی پوشیدہ آنکھ سے ہر دن اس کی طرف نظر کروں گا اور ۷۰/ ضرورتیں پوری کروں گا کم سے کم ضرورت مغفرت ہے، دیلمی نے مسند فردوس میں حضرت ابوایوب انصاریؓ سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جوشخص اس آیت کوفرض نماز کے بعد تلاوت کریگا تو اس کی مغفرت کردوں گا اور جنت الفردوس میں جگہ دونگا اور ۷۰/ بارنظر کرم کرونگا اور ۷۰/ضروریات پوری کرونگا کم سے کم درجہ مغفرت ہے۔

حضرت زبیر ابن عوامؓ سے مروی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے عرفہ میں یہ آیت تلاوت فرمائی اور فرمایا **وانا علی ذالک من الشاھدین** میں بھی اس پر گواہ ہوں (کذا فی فتح القدیر للعلامۃ الشوکانیؒ ج ۱/ص ۳۲۷) اور معارف القرآن میں بغوی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ یہود کے دو بڑے عالم ملک شام سے مدینہ آئے یہاں آکر ان کو محسوس ہوا کہ یہ نبی آخرالزماں ﷺ کی ہجرت گاہ ہے پھر ان کو نبی کریم ﷺ کا علم ہوا تو حاضر خدمت ہوئے اور جملہ علامات دیکھی جو توریت میں مذکور تھیں پھر سوال کیا کہ سب سے بڑی شہادت کونسی ہے؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی یہ سنکر دونوں اسلام میں داخل ہوگئے۔

یہاں یہ سوال ہوسکتا ہے کہ جب اللہ پاک کو اسلام ہی پسند تھا تو دوسری قوموں کو دوسرے مذاہب یہودیوں کو توریت اور عیسائیوں کو انجیل اور داؤدؑ کو زبور کیوں دی گئی جن سے دوسرے مذاہب وجود میں آئے تو سمجھ لینا چاہئے کہ ہر نبی کے زمانے میں انکالایا ہوا دین اسلام ہی تھا اور وہ عنداللہ مقبول ہے مگر جب اسلام اپنی آخری شکل میں اتر گیا تو اب اسلام کی مکمل تصویر یہ ہے کہ اب اس کے بغیر نجات کا کوئی راستہ نہیں (مستفاد از معارف القرآن ج ۲/ص ۳۷)۔

مسلمانوں کو غیر مسلموں کے ساتھ دوستی کی ممانعت

ارشاد باری تعالیٰ: **لا یتخذ المؤمنون الکافرین اولیاء من دون المؤمنین ومن یفعل ذلک فلیس من اللہ فی شیء الا ان تتقوا منھم تقہ ویحذرکم اللہ نفسہ والی اللہ المصیر** (آل عمران)۔ترجمہ: مسلمانوں کو چاہئے کہ ظاہراً وباطناً کفار کو دوست نہ بنائیں ایمان والوں کو چھوڑ کر، اور جو ایسا کرے گا تو وہ اللہ پاک کے ساتھ دوستی رکھنے میں شمار نہیں مگر (ایسی صورت میں ظاہری دوستی کی اجازت ہے) کہ تم ان سے کسی قسم کا اندیشہ رکھتے ہو اس سے بچاؤ کیلئے اور اللہ پاک تم کو اپنی ذات سے ڈراتے ہیں اور اللہ پاک ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

تشریح: ایمان والوں کو ہدایت دی جارہی ہے کہ غیر مسلموں کے ساتھ دوستی نہ رکھیں کیونکہ ان کے ساتھ دوستی کا انجام خراب ہے، ایمان واعمال صالحہ سے دور کریں گے اور تمہارے راز دار ہوکر سب مسلمانوں اور اسلام کو سخت نقصان پہنچائیں گے کیونکہ غیر مسلم تمہارا کبھی دلی خیرخواہ نہیں ہوسکتا ہے ہاں مگر ظاہرداری کے طور پر تم نقصان اور اسکے شر سے بچنے کے لئے تھوڑا تعلق رکھ سکتے ہو۔ چنانچہ بارہا کا تجربہ ہے کہ غیر مسلموں کی دوستی نے بہت زیادہ نقصان کیا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری مسلمان تھے

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: **فَلَمَّآ اَحَسَّ عِیۡسٰی مِنۡهُمُ الۡكُفۡرَ قَالَ مَنۡ اَنۡصَارِیۡۤ اِلَی اللّٰهِ قَالَ الۡحَوَارِیُّوۡنَ نَحۡنُ اَنۡصَارُ اللّٰهِ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَاشۡهَدۡ بِاَنَّا مُسۡلِمُوۡنَ** (آل عمران)

ترجمہ: اور جب محسوس کیا حضرت عیسیٰؑ نے ان سے کفر (یعنی ان کو معلوم ہوگیا کہ وہ قتل کرنا چاہتے ہیں حالانکہ وہ ان کو اللہ پاک کی طرف سے دعوت دے رہے ہیں تو نصرت طلب کرنے کیلئے پکارا کہ کون ہے میری نصرت کرنے والا اللہ پاک کیساتھ تو حواریوں نے کہا کہ ہم لوگ ہیں اللہ کے دن کی نصرت کرنے والے ہم اللہ پاک پر ایمان لاچکے ہیں اور گواہ

رہیے کہ ہم مسلمان ہیں۔

تشریح: اوپر آیات میں حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کے واقعات ان کے معجزات وکمالات کا تذکرہ چلا آرہا ہے اور یہ کہ انہوں نے ان معجزات کو دکھا کر لوگوں کو رب العزت والجلال کی عبادت کی طرف دعوت دی اور صراط مستقیم کی نشان دہی فرمائی، مگر جب حضرت نے اپنی محنت مفید ہوتے ہوئے نہیں دیکھی، بجائے اطاعت وتسلیم کے انکار اور عداوت کا نقشہ سامنے آنے لگا اور قوم مخالفت پر آمادہ ہوگئی تب انہوں نے مخلصین سے نصرت طلب کی، اللہ تعالیٰ کی نصرت کیساتھ ''الی اللہ ''بمعنیٰ ''مع اللہ '' ہے جیسا کہ علامہ واحدی نے الوسیط میں فرمایا ہے تو یہ آواز سنکر جو لوگ خوش قسمت اور سعادت مند تھے نصرت کیلئے تیار ہوگئے اور نصرت بغیر ایمان کے مکمل نہ ہوسکتی تھی، لہذا پہلے انہوں نے ایمان قبول کیا اور اپنے ایمان پر آپ کو گواہ اور شاہد بنایا اور پھر اس طرح دعاء کرنے لگے:

''**ربنا امنا بما انزلت واتبعنا الرسول فاکتبنا مع الشاھدین** ''(آل عمران)

ترجمہ: اے ہمارے رب ہم نے یقین کیا اس چیز کا جو تو نے اتاری اور ہم تابع ہوئے رسول کے سو لکھ لے ہم کو ماننے والوں میں۔

تشریح: اے ہمارے رب ہم ایمان لائے ہیں اس پر جو آپ نے اتارا ہے اور ہم نے تیرے رسول کی تصدیق وتائید کی تھی، ہمارا شمار بھی ان کیساتھ فرما، تاکہ ان جیسے بلند درجات تک ہم بھی پہنچ جائیں، کہا جاتا ہے کہ حواری شکار پیشہ لوگ تھے چونکہ ان کے کپڑے نہایت سفید تھے اس وجہ سے ان کو حواری کہتے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ حواری کے معنیٰ مخلص مدد گار کے ہیں۔ جیسا کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ میرے حواری زبیر بن العوامؓ ہیں (کذا فی الوسیط، ص ۴۴۱)۔

کفار کیلئے عذاب اور ایمان والوں کیلئے بشارت

ارشاد باری تعالیٰ ہے: **فاما الذین کفروا فاعذبھم عذابا شدیدا فی الدنیا والاٰخرۃ ومالھم من نٰصرین ○ واما الذین اٰمنوا وعملوا الصالحات فیوفیھم اجورھم واللہ لایحب الظالمین** (آل عمران)۔ ترجمہ: بہرحال کفار تو میں ان کو دنیا اور آخرت میں سخت عذاب دونگا اور انکا کوئی مددگار نہ ہوگا اور وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں اور عمل صالح کئے اللہ ان کو پورا پورا اجر وثواب دیں گے اور اللہ پاک ظلم کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے ہیں۔

تشریح: یہ آیت خاص ان کفار کے بارے میں ہے جن کو سمجھایا گیا اور بار بار ہدایت کی بات ان تک پہنچی مگر وہ انکار ہی کرتے رہے اور داعیان حق کے مقابلے میں عناد اور سرکشی پر تُل گئے، ایسوں کو اللہ پاک نے سزادی قتل کئے گئے اور جلاوطن بھی کئے گئے، دنیا میں یہ سزا ملی حق سے اعراض اور روگردانی کرنے کی اور آخرت میں جو عذاب ان پر ہوگا وہ اس سے بھی زیادہ سخت اور خطرناک ہوگا اور ایمان اور اعمال صالحہ اختیار کرنے والوں کو دنیا میں بھی اچھی زندگی ملے گی اور آخرت میں جو نعمتیں ہیں ان کا تصور یہاں غیر ممکن ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام سچے مسلمان تھے

ارشاد باری تعالیٰ ہے: **ماکان ابراھیم یھودیا ولا نصرانیا ولکن کان حنیفا مسلما وماکان من المشرکین** (آل عمران)۔ ترجمہ: ابراہیمؑ نہ یہودی تھے نہ عیسائی تھے بلکہ سچے اور صحیح مسلمان تھے اور نہ وہ مشرکین میں سے تھے۔

تشریح: ان آیات میں اہل کتاب کو توحید کی دعوت دی گئی ہے اور شرک سے روکا گیا اس کے بعد ان آیات میں ان لوگوں کی تردید ہے جو سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو یہودی کہتے تھے، جیسا کہ یہودیوں کا خیال تھا، اور عیسائی انکو اپنے جیسا عیسائی کہتے تھے اور مشرکین

اپنے میں شمار کرنے لگے ،ان سب کو بتلایا گیا کہ تمہاری باتیں غلط ہیں یہودیت کا آغاز حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہوا اور عیسائیت کا آغاز حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ہوا اور یہ دونوں نبی اور رسول حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بہت بعد میں دنیا میں تشریف لائے تھے اور مشرکین میں سے ہونے کا تو سوال ہی نہیں ہوتا بلکہ وہ تو موحدین اور اللہ والوں کے امام اور ان کے پیشوا تھے،ان کے نقش قدم پر تو نبی کریم ﷺ اور آپ کے متبعین یعنی ایمان والے حضرات ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ اَوْلَی النَّاسِ بِاِبْرَاهِيمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ (ال عمران)۔

ترجمہ: بیشک لوگوں میں سب سے قریب ابراہیم کے انکے متبعین اور یہ نبی ﷺ ہیں اور ایمان والے اور اللہ پاک ایمان والوں ہی کے دوست ہیں۔

تمام نبیوں سے آپ ﷺ پر ایمان کا اقرار لیا گیا تھا

ارشاد باری تعالیٰ ہے: **وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ ا لنَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتَا بٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْ لٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ قَالُوْا اَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِنَ ا لشَّاهِدِيْنَ (آل عمران)۔**

ترجمہ:۔اور جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے تمام پیغمبروں سے وعدہ لیا تھا کہ جب میں تم کو کوئی کوئی کتاب اور حکمت دوں گا اور پھر تمہارے پاس ہمارے آخری پیغمبر آئیں گے جو تصدیق کریں گے ان اشیاء کی جو تمہارے پاس ہیں تو تم ان پر ایمان لانا اور انکی نصرت کرنا فرمایا کہ کیا یہ تمہیں منظور ہے اور تم اسپر مجھ سے وعدہ کرتے ہو سب نے کہا کہ ہم اقرار کرتے ہیں فرمایا کہ تم گواہ رہو میں میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں۔

دین اسلام کے علاوہ اور کوئی دین قبول نہیں ہے

ارشاد باری تعالیٰ ہے: **افغیر دین اللہ یبغون ولہ اسلم من فی السمٰوٰتِ والارض طوعا وکرھا والیہ یرجعون ○ ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ وھو فی الاٰخرۃ من الخاسرین ○ (آل عمران)۔**

ترجمہ: کیا اللہ پاک کے دین کے علاوہ اور کوئی دین تلاش کرتے ہیں حالانکہ آسمان اور زمین کی ساری مخلوق اللہ پاک کے تابع اور مطیع ہے خوشی سے اور زبردستی سے اور اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے اور جو اسلام کے علاوہ کوئی اور مذہب تلاش کرے گا وہ ہرگز قبول نہ ہوگا اور وہ آخرت میں نقصان اور خسارہ اٹھانے والوں میں شمار ہوگا۔

تشریح: معلوم ہوا کہ اسلام ہی سے نجات وابستہ ہے اس کے علاوہ اب دوسرا کوئی مذہب ذریعہ نجات نہیں بن سکتا ہے، فتح القدیر شوکانی ج ا ر ص ۳۵۸ رمیں ہے کہ امام طبرانی نے ''الاوسط'' میں حضرت انسؓ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا غلاموں ، جانوروں، بچوں میں سے جس کے اخلاق خراب ہوجائیں (اور وہ پریشان کرے) تو اس کے کان میں یہ آیت اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ پڑھ کر دم کرے تو ان شاء اللہ وہ صحیح ہوجائے گا، یونس بن عبیدؒ سے مروی ہے کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کسی جانور پر سوار ہوا اور وہ پریشان کرتا ہو تو اس کے کان میں یہ آیت پڑھو وہ ٹھیک ہوجائے گا باذن اللہ تعالیٰ۔

امام طبرانیؒ نے حضرت ابو ہریرۃؓ نے نقل کیا ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے قیامت کے دن اعمال آئیں گے نماز آئے گی اور وہ کہے گی کہ یا رب میں نماز ہوں اللہ پاک فرمائیں گے تو اچھی ہے خیر پر ہے، پھر اسی طرح صدقہ ،صیام اور دوسرے اعمال حاضر ہونگے ان کو بھی

ایسا ہی جواب ملے گا، پھر اسلام حاضر ہوگا عرض کریگا میں اسلام ہوں اللہ پاک فرمائیں گے بہتر ہے تو خیر پر ہے اور تیرے ساتھ ہی ثواب دونگا، (تیرے بغیر ثواب بھی نہ دونگا) پھر یہ آیت تلاوت فرمائی۔

کفار کا فدیہ آخرت میں بے کار ہے

ان الذین کفروا وماتوا وھم کفار فلن یقبل من احدھم مل الارض ذھبا ولو افتدیٰ بہ اولئک لھم عذاب الیم ومالھم من نصرین (سورہ آل عمران ۹۱) ترجمہ: بے شک وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا اور پھر بحالتِ کفران کا انتقال ہوگیا تو زمین بھر سونا بھی (فدیہ) ان سے قبول نہ ہوگا اور ان کیلئے دردناک عذاب ہوگا اور وہاں کوئی ان کا مددگار نہ ہوگا۔

تشریح: یعنی آخرت میں کفار کیلئے انتہائی دردناک عذاب ہوگا اور وہاں ان کا کوئی مددگار بھی نہ ہوسکے گا، لہٰذا اے لوگو! کفروشرک سے باز آؤ اور صحیح صحیح راستہ اسلام والا یعنی صراط مستقیم اختیار کرو، اگر وہاں کی خیر و بھلائی کے طالب ہو۔

اہل کتاب ایمان والوں کو غلط راستہ پر ڈالنا چاہتے ہیں

اللہ پاک نے فرمایا: قل یاھل الکتاب لم تصدون عن سبیل اللہ من اٰمن تبغونھا عوجا وانتم شھدآء وما اللہ بغافل عما تعملون (آل عمران) ترجمہ: آپ فرمادیجئے اے اہل کتاب تم کیوں روکتے ہو ایمان لانے والوں کو اللہ پاک کے راستہ سے، اس میں کجی تلاش کرتے ہو حالانکہ تم گواہ ہو اور اللہ پاک تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں ہے۔

تشریح: ان آیات میں یہود ونصاریٰ کو زبردست زجر و توبیخ ہے کہ تم نہ خود صحیح چلتے ہو اور نہ ایمان والوں کو صراط مستقیم پر چلنے دینا چاہتے ہو، حالانکہ تمہاری کتابوں میں پہلے ہی سے خبر دی گئی ہے کہ محمد ﷺ آخری پیغمبر ہوں گے اور ان کا مذہب اسلام ہوگا اور وہ صحیح مذہب ہوگا، اس کے ظاہر ہونے کے بعد کوئی دوسرا مذہب قبول نہیں ہوگا، تم ان باتوں کے عالم ہو اور گواہ ہو پھر یہ شرارت کیسی ہے، کیا تم میں عقل نہیں ہے کہ اس کو سمجھ سکو، ہدایت کی طرف آسکو، اہل کتاب کی شرارت وخباثت سامنے آجانے کے بعد اگر تم مسلمانو! ان کی اتباع وتقلید کروگے اور ان کے طرز پر زندگی گذاروگے تو تمہارا ہی نقصان ہوگا، ایمان کے بعد پھر گمراہی میں چلے جاؤگے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: یاایھاالذین اٰمنوا ان تطیعوا فریقا من الذین اوتوا الکتاب یردوکم بعد ایمانکم کافرین (آل عمران) ترجمہ اے ایمان والو! اگر تم یہود ونصاریٰ کی کسی جماعت کی اتباع کروگے تو یہ ایمان کے بعد تم کو پھر کافر بنائیں گے۔

تشریح: حالانکہ تم پر اللہ کی کتاب پڑھی جاتی ہے، نماز میں بھی اور غیر نماز میں بھی اور تم کو انبیاء، صدیقین، شہدا، صالحین والا راستہ صاف صاف بتادیا گیا ہے، پھر اس کو چھوڑ کر کہاں جارہے ہو، خدا کے نافرمان شیطان طبیعت شراب اور حرام کاموں میں مبتلا انسانوں کو اپنا نمونہ بناتے ہو اس سے زیادہ حماقت اور جہالت والی کونسی بات ہوسکتی ہے؟ سمجھ سے کام لو اور صراط مستقیم پر چلتے رہو، اس میں صلاح وفلاح ہے۔

ملی اتحاد: ایک جنسِ گراں مایہ

ارشاد ربانی ہے: یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا وَاذْکُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ اِذْ کُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِکُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِہٖٓ اِخْوَانًا وَّکُنْتُمْ عَلٰی شَفَا حُفْرَۃٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَکُمْ مِّنْھَا کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللّٰہُ لَکُمْ اٰیٰتِہٖ

لَعَلَّکُمۡ تَهۡتَدُوۡنَ (ال عمران)۔

ترجمہ: اے ایمان والو اللہ پاک سے ڈرو جیسا کہ ان سے ڈرنے کا حق ہے اور تمہاری موت اسلام ہی پر آنی چاہئے اور سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑو اور جدا جدا مت ہو جاؤ، اور اللہ کی نعمت کو یاد کرو جو تمہارے اوپر ہے کہ تم آپس میں دشمن تھے اللہ پاک نے تمہارے قلوب میں محبت ڈال دی، اور تم اس کے فضل وکرم سے بھائی بھائی بن گئے، اور تم جہنم کے گڑھے کے کنارے پر تھے اللہ نے تم کو وہاں سے نجات عطا فرمائی، اسی طرح اللہ پاک اپنی باتیں تمہارے سامنے بیان کرتے ہیں تا کہ تم ہدایت پر قائم رہو۔

تشریح: ان آیات مبارکات میں اہل ایمان کو اتحاد واتفاق سے رہنے اور اللہ پاک سے ڈرنے کی ہدایت وتعلیم دی جا رہی ہے اور یہ کہ اللہ پاک کی نعمتوں کو یاد کرو کہ عداوت کے بعد تم میں الفت ومحبت قائم کردی ہے اور تمہیں جہنم کے گڑھے سے بچایا ہے۔ اس پر جتنا اللہ پاک کا شکر ادا کرو کم ہے، **حق تقاته** کا مطلب حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے مروی یہ ہے کہ ایسی اطاعت کی جائے اللہ پاک کی جس کے بعد نافرمانی نہ ہو، ایسا شکر کیا جائے جس کے بعد ناشکری نہ ہو، ایسا ذکر کیا جائے کہ نسیان نہ ہو اور **حبل اللہ** سے مراد دین ہے (بندہ نے فضیلت تقویٰ نامی کتاب میں ان آیات کی کافی تشریح کی ہے، اس لئے یہاں اسی پر اکتفاء کیا جاتا ہے)۔

اس امت کی فضیلت اور اس کے اسباب

ارشاد ربانی ہے: **کُنۡتُمۡ خَيۡرَ اُمَّةٍ اُخۡرِجَتۡ لِلنَّاسِ تَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَتَنۡهَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡكَرِ وَتُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ** (آل عمرا)۔ ترجمہ: تم بہترین امت ہو جو بھیجی گئی لوگوں کی ہدایت کیلئے، حکم کرتے ہو اچھائیوں کا اور روکتے ہو برائیوں سے اور ایمان لاتے ہو اللہ پر۔

تشریح: علامہ واحدی نیشاپوریؒ الوسیط میں اور علامہ شوکانی فتح القدیر میں زجاج اور فراء کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ تم لوگ لوح محفوظ میں اللہ پاک کے یہاں بہترین گروہ بہترین امت مانے گئے ہو، زجاجؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت کریمہ کے اصل مخاطب صحابہ کرامؓ ہیں، گو عمومی طور پر ساری امت اس میں شامل ہے، اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ اس سے مراد امتِ محمدیہ ﷺ ہے اور یہ خیریت مشترک ہے ساری امت کے درمیان، اول والے حضرات ہوں یا اخیر والے یا درمیان والے، چنانچہ ایک روایت سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔

عن انسؓ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مثل امتی مثل المطر لایدری اوله خیر ام اٰخره (رواہ الترمذی، مشکوۃ ۵۸۳/۲)۔ ترجمہ: حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میری امت کی مثال بارش جیسی ہے، معلوم نہیں اس کا پہلا حصہ بہتر ہے یا آخری حصہ۔

شارح مشکوۃ علامہ فضل اللہ تورپشتیؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ نہ سمجھا جائے کہ اس امت کے اول طبقہ (صحابہ کرامؓ) کی بعد والوں پر فضیلت میں تردد کا اظہار ہے، کیونکہ قرن اول یعنی صحابہؓ کی فضیلت مسلم ہے، اور اس سلسلہ میں تصریح ہے **خیر امتی قرنی ثم الذین یلونهم ثم الذین یلونهم** میری امت میں بہترین دور میرا دور ہے پھر وہ جو اس کے متصل ہے پھر وہ جو اس کے متصل ہے، دوسری روایت میں ارشاد عالی ہے:

عن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکرموا اصحابی فانهم خیارکم ثم الذین یلونهم ثم الذین یلونهم الخ (مشکوۃ

شریف ۵۵۴)۔ترجمہ: حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صحابہ کرام کی تعظیم کرو کیونکہ یہ تم میں سب سے افضل ہیں پھر ان کے بعد والے پھر ان کے بعد والے حضرات ہیں۔

لہٰذا ان تصریحات کے ہوتے ہوئے اس تردد کا کوئی مطلب نہیں رہتا ہے بلکہ مراد نفع ہے، ہوسکتا ہے کہ بعد والوں میں ایسے افراد پیدا ہوں جن سے شریعت کی ترویج واشاعت اور قلوب کی اصلاح خیر وبرکت کا کام زیادہ ہوجائے، چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ بعد والوں میں فقہاء میں سے ائمہ اربعہ......اور صوفیاء کرام میں سے حسن بصریؒ، جنید بغدادیؒ، شیخ عبدالقادر جیلانیؒ، مجدد الف ثانی سرہندیؒ، شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ، اور متکلمین میں سے شیخ ابوالحسن اشعری اور شیخ ابو منصور ماتریدی جیسے حضرات سے دین کو کس قدر نفع ہوا ہے اور پھر ہر دور میں اولیاء، علماء، صلحاء، فقہاء، حکماء پیدا ہوتے چلے گئے اور دین کی نشر واشاعت کا کام خوب ہوا ہے فللّٰہ الحمد، مگر یہ حضرات اپنے انتہائی کمالات کے باوجود صحابیت کی فضیلت اور مقام تک نہیں پہنچ سکتے...... یہ امر مسلم الثبوت ہے، بہرحال جس طرح بارش کے کسی خاص حصہ کے بارے میں یہ فیصلہ حتمی اور قطعی طور پر نہیں کیا جاسکتا ہے کہ اول کا حصہ بہتر تھا یا آخر کا، اسی طرح امت کے اول طبقہ کے تمام افراد کو من جمیع الجہات امت کے بعد والے طبقات کے تمام افراد پر فضیلت دینا مشکل ہے، گوکہ حضرات صحابہ کرامؓ کو صحابیت کا شرف حاصل ہونا اور ان کا افضل ہونا صحابیت کی وجہ سے مسلم ہے اگرچہ بعد والے افراد میں دینی نفع کے اعتبار سے صحابہ رضی اللہ عنہم سے بڑھ کر بھی ہوں تب بھی ان کی فضیلت ببرکت صحبت رسول ﷺ غیر قابل انکار ہے، بعد والے حضرات کی فضیلت اس حدیث سے بھی ثابت ہوتی ہے:

عن ابی ہریرۃؓ ان رسول اللہ ﷺ قال ان من اشد امتی لی حبا ناس یکونون بعدی یود احدھم لو رآنی باھلہ ومالہ (رواہ مسلم، مشکوٰۃ ۲/۵۸۳)۔ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ میرے بعد مجھ سے بہت محبت رکھنے والے ایسے افراد بھی ہونگے جو تمنا کریں گے کہ مال واہل کی قربانی دیکر کاش مجھے دیکھ لیتے ان کو اس قدر تعلق ہوگا۔

مذکورہ آیت کریمہ میں اس امت کی فضیلت کی وجوہات میں تین باتیں مذکور ہوئی ہیں (۱) امر بالمعروف (۲) نہی عن المنکر (۳) ایمان باللہ۔اس کی تصدیق اس روایت سے بھی ہوتی ہے جس کو بیہقیؒ نے ''دلائل النبوۃ'' میں ذکر فرمایا ہے۔

عن عبدالرحمن بن العلاء الحضرمی قال حدثنی من سمع النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول انہ سیکون فی اٰخر ھذہ الامۃ قوم لھم مثل اجر اولھم یامرون بالمعروف وینھون عن المنکر ویقاتلون اھل الفتن (مشکوٰۃ ۲/۵۸۴/ کذافی المرقات للعلامہ علی القاریؒ)۔

ترجمہ: حضرت علاء بن عبدالرحمٰن حضرمی کہتے ہیں کہ اس شخص نے مجھ سے بیان کیا جس نے نبی کریم ﷺ سے سنا فرمایا: آخری دور میں اس امت میں ایسے افراد ہونگے جن کو پہلوں جیسا ثواب ملے گا، جو اچھائیوں کا حکم کریں گے اور برائیوں سے روکیں گے اور فتنوں والوں سے قتال ومقابلہ کریں گے۔اہل فتن سے مراد باطل فرقے ہیں۔

اس آیت کریمہ (**کنتم خیر اُمةٍ الآیة**) بارے میں ایک صحابی نے نقل کیا ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ اللہ پاک کے اس فرمان کا مطلب یہ ہے کہ تم نے امتوں کا عدد پورا کردیا ہے، سترّ ویں امت تم ہو، اور ان تمام میں تم سب سے بہتر ہو، اور اللہ پاک کے نزدیک سب سے زیادہ قریب اور باعزت ہو (مشکوٰۃ ۲/۵۸۴) اور اس امت کا بہتر اور کریم ہونا اس وجہ سے

ہے کہ اس امت کو جو رسول ملے وہ سب رسولوں میں سب سے افضل واکرم ہیں، آپ ﷺ کی برکت سے اس امت کو خیر وبرکت کا حصۂ وافر حاصل ہوا ہے، اسی وجہ سے اس امت کو ثواب بھی دیگر امتوں سے بدرجہا زائد حاصل ہوتا ہے، عمر کم ہے اور ثواب زیادہ ہے، بخلاف پہلی امتوں کے کہ ان کی عمریں لمبی اور ثواب کم ہوتا تھا، چنانچہ حدیث پاک میں وارد ہوا ہے:

عن ابن عمرؓ عن رسول اللہ ﷺ قال انما اجلکم فی اجل من خلا من الامم مابین صلاۃ العصر الی مغرب الشمس وانما مثلکم ومثل الیھودی والنصاریٰ کرجلٍ استعمل عمالا فقال من یعمل لی الی نصف النھار علی قیراط قیراط فعملت الیھود الی نصف النھار علی قیراط قیراط ثم قال من یعمل لی من نصف النھار الی صلاۃ العصر علی قیراط قیراط ثم قال من یعمل لی من صلاۃ العصر الی مغرب الشمس علی قیراطین الا فانتم الذین یعملون من صلاۃ العصر الی مغرب الشمس الا لکم الاجر مرتین فغضبت الیھود والنصاری فقالوا نحن اکثر عملا واقل عطاء قال اللہ تعالیٰ فھل ظلمتکم من حقکم شیئا قالوا لا قال اللہ تعالیٰ فانہ فضلی اعطیہ من شئت (راوہ البخاری مشکوٰۃ ۲/۵۸۳).

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے بیشک تمہاری عمریں گذشتہ امتوں کی عمروں کے مقابلہ میں اتنی ہیں جتنا کہ عصر سے مغرب تک کا وقت ہے، اور تمہاری اور یہود ونصاریٰ کی مثال اس شخص جیسی ہے کہ جس نے اعلان کیا کہ کون ہے جو میری مزدوری کرے! صبح سے آدھے دن کے حصہ تک ایک قیراط اجرت پر، یہ سنکر یہودی تیار ہوگئے اور انہوں نے آدھے دن تک کام کیا ایک قیراط اجرت پر، پھر اس شخص نے یہ اعلان کیا، کون ہے جو آدھے دن سے لیکر عصر تک میرا کام کرے ایک قیراط مزدوری پر! یہ سنکر نصاریٰ نے کام کیا ایک قیراط پر، پھر اس نے اعلان کیا کون ہے جو میرا کام کرے عصر سے مغرب تک دو قیراط پر! یہ سن کر تم لوگوں نے کام کیا عصر سے مغرب تک اور تم کو دوہری اجرت ملی، یہ دیکھ کر یہود ونصاریٰ کو غصہ آیا کہ ہم نے کام زیادہ کیا اور اجرت کم ملی اور انہوں نے کام کم کیا اور اجرت زیادہ ملی، اللہ پاک نے فرمایا میں نے تمہارا حق جتنا طے کیا تھا دیدیا اس میں کوئی کمی واقع ہوگئی ہے کیا؟ یہ تو میرا فضل وکرم ہے کہ میں جس کو چاہوں زیادہ عطاء کروں (اس پر اعتراض کا کسی کو حق نہیں)۔

جنت میں بھی اس امت کی تعداد زیادہ ہوگی

حدیث پاک میں آیا ہے: **عن عبداللہ قال قال رسول اللہ ﷺ اما ترضون ان تکونوا ربع اھل الجنۃ قال فکبرنا ثم قال اما ترضون ان تکونوا ثلث اھل الجنۃ قال فکبرنا ثم قال انی لا ارجو ان تکونوا شطر اھل الجنۃ وفی روایۃ نصف اھل الجنۃ لاید خلھا الا نفس مسلمۃ** (مسلم شریف ۱/۱۱۷)۔

ترجمہ: حضرت عبداللہؓ سے مروی ہے کہ ہم سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم راضی نہیں ہو اس بات سے کہ جنت میں تمام جنتیوں کا چوتھائی حصہ تم ہوگے؟ ہم نے یہ سن کر خوشی کے مارے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا، پھر فرمایا: کیا تم راضی نہیں ہو کہ جنتیوں کا تہائی تم ہوگے؟ ہم نے سن کر اللہ اکبر کا نعرہ لگایا، پھر فرمایا مجھے امید ہے آدھے جنتی تم ہوگے اور ایک روایت میں **نصف ھل الجنۃ** ہے اور یہ اس لئے ہے کہ جنت میں صرف مسلمان ہی داخل ہوں گے۔

اہل کتاب میں اچھے لوگوں کی قرآن تعریف کرتا ہے

ارشاد باری تعالیٰ ہے: **لَيْسُوْا سَوَآءً مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَّتْلُوْنَ**

آیٰتِ اللّٰہِ آنَآءَ الَّیْلِ وَھُمْ یَسْجُدُوْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَیَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَیُسَارِعُوْنَ فِی الْخَیْرٰتِ وَاُولٰٓئِکَ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ (آل عمران۱۱۳)۔ترجمہ:اوراہل کتاب میں بھی سب برابرنہیں ہیں(اچھے بھی ہیں)ان کی بھی ایک جماعت ہے جوحق پر قائم ہےاوراطاعت الٰہی میں مشغول رہتے ہیں، اللہ پاک کی آیات کی تلاوت کرتے رہتے ہیں،رات کے اوقات میں اوروہ نماز پڑھتے ہیں، اللہ پاک اورقیامت کے دن پرایمان رکھتے ہیں،اچھائیوں کاحکم کرتے ہیں اور برائیوں سے روکتے ہیں اورنیک کاموں میں آگے رہتے ہیں یہ نیک لوگوں میں شامل ہیں۔

تشریح: یہاں معروف سے مراد بطور خاص توحید ہے، جیسا کہ ترجمان القرآن حضرتِ عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے ،اورمنکر سے مراد شرک وکفر ہے، علامہ زجاجؒ فرماتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی اتباع کاحکم فرماتے ہیں اورآپ کی مخالفت سے روکتے ہیں اوراس کے ساتھ ساتھ دیگر اچھے کاموں میں سبقت کرتے ہیں، پھرایسوں کے اچھے ہونے میں کیاشبہ ہے، بلکہ اہل کتاب (یہودونصاریٰ) میں سے اگرکوئی ایمان لائے گاتو اس کودوہرا ثواب ملے گا، ایک پہلے نبی پر ایمان لانے کا دوسرا نبی کریم ﷺ پر ایمان لانے کااوراس کے سارے گناہ معاف ہوجائیں گے،سبحان اللہ اس قدر فضیلت ہونے کے باوجود یہود ونصاریٰ کواسلام میں سبقت کرنے کی ضرورت ہے، اسلام انکا استقبال کرتا ہے اوران کی تعریف کرتاہے۔

اہل کتاب سے دوستی ومحبت مت رکھو

اللہ پاک کاارشادہے:یَا اَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَۃً مِنْ دُوْنِکُمْ لَایَاْلُوْنَکُمْ خَبَالًا وَّدُّوْا مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاھِھِمْ وَمَا تُخْفِیْ صُدُوْرُھُمْ اَکْبَرُ قَدْ بَیَّنَّا لَکُمُ الْاٰیٰتِ اِنْ کُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ (ال عمران۱۱۸)۔ترجمہ: اے ایمان والو! مسلمانوں کے علاوہ (اہل کتاب) کواپنا جگری دوست مت بناؤ، یہ تمہاری بربادی میں کوئی کمی نہیں چھوڑتے (جب ان کوموقع ملتا ہے) یہ چاہتے ہیں کہ تم سخت مشقت میں پڑجاؤ،دشمنی وعداوت ان کے منہ سے ظاہر ہوچکی ہےاورانھوں نے اپنے سینوں میں جو عداوت چھپارکھی ہے وہ اس سے بھی زیادہ بڑی اور خطرناک ہے، تحقیق کہ ہم نے تمام باتیں بتلادی ہیں تاکہ تم عقلمندی اورہوش سے کام لو۔

تشریح: ان آیات مبارکات میں یہودونصاریٰ اورکفار کے مسلمانوں کے بارے میں دلی جذبات کوواضح کردیا گیا ہے،اس کے باوجود بھی مسلمان اوران کے بادشاہ یہود وعیسائی بادشاہوں کی شرارتوں اورسازشوں کونہیں سمجھتے اوراپنی رعایا کو ہلاک وبربادکررہے ہیں،ظاہرداری کی ممانعت نہیں ہے مگر ہاں!اس طرح کے تعلقات کہ وہ لوگ مسلمانوں کے راز سے واقف ہوجائیں نہایت خطرناک ہے،اہل کتاب بے حدشاطراورعیار ہوتے ہیں، وہ کبھی مسلمانوں کے خیر خواہ نہیں ہوتے ہیں۔ یہود اورنصاریٰ کی عیاریاں مسلمانوں اوراسلام کے ساتھ شروع سے چلی آرہی ہیں اورانہوں نے ہردور میں مسلمانوں پر بے حد وحساب مظالم کئے ہیں،مگرمسلمانوں نے صبر وہمت کا مظاہرہ کیاہے،اورموقع ملنے پرعفووکرم کا معاملہ کیاہے، یہ مسلمانوں کی شان رہی ہے،اس کے باوجود یہ مسلمانوں اوراسلام کوبدنام کرنے کیلئے ہرحربہ استعمال کرتے ہیں اورکررہے ہیں،اللہ پاک انکے خبیث اورشرّی عزائم سے جملہ مسلمانوں کی حفاظت فرمائے اورمسلمانوں کوان کے تہذیب وطریقے اپنانے سے بچائے،آمین۔

سود سے بچئے اور متقی بنئے

ارشاد باری ہے: یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَاتَاْكُلُوْا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً وَّاتَّقُوْا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ o وَاتَّقُوْا النَّارَ الَّتِیْٓ اُعِدَّتْ لِلْكَافِرِیْنَ o وَاَطِیْعُوْا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ o وَسَارِعُوْٓا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِیْنَ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ فِی السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكَاظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ o وَالَّذِیْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوْا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ وَمَنْ یَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ وَلَمْ یُصِرُّوْا عَلٰی مَا فَعَلُوْا وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ o اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِیْنَ o وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ (اٰل عمران رکوع ۴)۔

ترجمہ: اے ایمان والو تم سود نہ کھاؤ دوگنا چوگنا کر کے اور اللہ پاک سے ڈرو تا کہ تم فلاح پاسکو اور بچو اس آگ سے جو تیار کی گئی ہے کافروں کے واسطے اور اطاعت کرو اللہ اور اس کے رسول کی تا کہ تم پر رحمت ہو اور اپنے رب کی مغفرت کی طرف کوشش کرو، اور اس جنت کی طرف جس کا عرض آسمان اور زمین جیسا ہے اور وہ تیار کی گئی ہے پرہیزگاروں کیلئے، یعنی وہ حضرات جو خرچ کرتے ہیں خوشی کی حالت میں بھی اور تنگی و پریشانی کی حالت میں بھی اور جو غصہ دبا لیتے ہیں اور لوگوں کو معاف کرنے کے عادی ہیں، اللہ پاک پسند کرتے ہیں اچھے انسانوں کو اور وہ کہ جب ان سے کوئی غلط کام ہو جاتا ہے تو اللہ پاک کو یاد کرتے ہیں، اور اللہ پاک کے سوا کون گناہوں کو معاف کر سکتا ہے، اور وہ لوگ اصرار نہیں کرتے اپنے کاموں پر اور جانتے ہیں کہ اچھے کام کرنے والوں کا بہترین بدلہ اور ثواب مغفرت ہے ان کے رب کی طرف سے، اور ایسی جنت ہے جس کے نیچے سے نہریں جاری ہیں جہاں یہ لوگ ہمیشہ ہمیش رہیں گے اور اچھے کام کرنے والوں کا بہترین بدلہ اور ثواب ہے، اور نہ سست پڑو اور نہ غم کرو، تم ہی لوگ بلند رہو گے اگر واقعۃً تم ایمان والے رہے۔

تشریح: (۱) ان آیات مبارکات میں پہلے سود کھانے سے روکا گیا ہے، اور ''اضعافاً مضٰعفة'' کی قید احترازاً نہیں ہے بلکہ اس حالت کا بیان تھا جس پر ان کے معاملات دائر تھے کہ کسی کو مجبوری کے وقت میں قرض دیکر سود لیتے اور کہتے کہ اگر اتنی مدت دیر ہوگئی تو اب اتنے پر مزید اتنا اضافہ کر کے ادا کرنا ہوگا، بڑھاتے رہتے تھے، آج کل بھی بہت سے لوگ اس بیماری میں مبتلا ہیں اور وہ غریب لوگوں کی مجبوری سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں ان کے دلوں میں فساد پیدا ہوگیا ہے انسانوں کا رحم ختم ہوگیا ہے، ایسے لوگوں کو اس آگ سے ڈرایا گیا ہے جو خالص کفار کیلئے تیار کی گئی ہے، اس سے زیادہ سخت وعید اور کیا ہو سکتی ہے؟۔

(۲) اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کا حکم فرمایا ہے اور بتایا ہے کہ اسی میں فلاح اور صلاح ہے۔

(۳) مغفرت اور جنت حاصل ہونے والے اعمال کرو یعنی تقوٰی اختیار کرو اور راہِ خدا میں خرچ کرو ہر حال میں، خوشی کی حالت ہو یا غم کی حالت ہو۔

(۴) غصہ دبانا چاہئے، متقین حضرات غصہ دباتے ہیں، فرمایا نبی کریم ﷺ نے جو غصہ نافذ کرنے پر قدرت رکھے اور پھر اس کو دبا لے تو تمام مخلوق کے سامنے اس کو بلایا جائے گا اور اختیار دیا جائے گا کہ جس حور سے چاہے نکاح کر لے (ابوداؤد، ترمذی) اول درجہ کے متقی حضرات تو یہ لوگ ہیں۔ اس کے بعد وہ لوگ ہیں کہ جب ان سے کوئی غلط کام ہو جاتا ہے (گناہ کبیرہ) یا چھوٹا گناہ کر کے اپنے اوپر ظلم کر لیتے ہیں تو فوراً اللہ پاک سے مغفرت کے طالب ہوتے ہیں، ان کا انجام بھی توبہ واستغفار ہی کی وجہ سے بہتر ہوگا

،مغفرت اور جنت ان کو بھی ملے گی۔

(۵) تم دشمنانِ اسلام کی طاقتوں کا مقابلہ کرنے کیلئے تیار رہو جاؤ! کمزور و بزدل نہ بنو اور گذشتہ جو ہو چکا ہے اس پر غم نہ کرو، انشاء اللہ تم ہی بلند اور غالب رہو گے اگر ایمان کامل پر قائم رہے اور ہمت کرتے رہے۔ ہمارے شیخ و مرشد حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحبؒ کا شعر ہے ؎

کیوں اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ کے وعدہ سے ہوں محروم
افسوس کہ ایمان میں کامل میں نہیں ہوں

ان آیات میں نبی پاک ﷺ اور ایمان والوں کیلئے تسلی ہے اس تکلیف پر جو غزوۂ احد کے دن پہنچی تھی اللہ کے رسول ﷺ کا کہنا ماننے میں غفلت ہوئی تھی اور نقصان عظیم اٹھانا پڑا تھا، اس واقعہ میں بڑی عبرت ہے مسلمانوں کیلئے، بہر حال توبہ واستغفار گناہوں کو ختم کرانے کا عمدہ ذریعہ ہے، ایک روایت میں ہے کہ نبی پاک ﷺ اللہ پاک سے نقل کرتے ہیں کہ جو بندہ یہ جانتا ہے کہ میرے اللہ کے اندر قدرت ہے اور جانتا ہے کہ میرے اللہ کے سوا کوئی معاف کرنے والا نہیں ہے تو میں ضرور معاف کرونگا اور پرواہ نہ کروں گا چاہے اس کے گناہ کتنے ہی کیوں نہ ہوں (**کذافی الوسیط للعلامۃ الواحدیؒ**)۔

کفار کی اطاعت نہ کرو

ارشاد باری تعالیٰ ہے: **يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَرُدُّوْكُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ وَهُوَ خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ** (ال عمران)

ترجمہ: اے ایمان والو! اگر تم کفار اور مشرکین کی اطاعت کرو گے تو یہ تمہیں الٹے پاؤں گمراہی اور نقصان کی طرف لوٹا دیں گے اس وقت تم سخت خسارہ میں ہو جاؤ گے بلکہ اللہ پاک ہی تمہارے مولیٰ و مددگار ہیں اور وہ بہتر مدد کرنے والے ہیں۔

تشریح: ان آیات میں ایمان والوں کو کفار و مشرکین اور منافقین کی اطاعت سے روکا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ ان کی اطاعت سراسر خسارہ اور نقصان کا باعث ہے، یہ ایمان کا خسارہ بھی ہے اور دنیا کا خسارہ......اور نقصان بھی، پھر بھی بہت سے مسلمانوں کو دیکھا گیا ہے کہ غیر مسلموں کی اطاعت اور اتباع کرتے ہیں اور اپنے آپ کو عقلمند سمجھتے ہیں۔

کفار کی طرح مت ہو جاؤ

ارشاد باری تعالیٰ ہے: **يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ اِذَا ضَرَبُوْا فِي الْاَرْضِ اَوْ كَانُوْا غُزًّى لَّوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَامَاتُوْا وَمَاقُتِلُوْا الاٰية** (ال عمران)۔

ترجمہ: اے ایمان والو! ان لوگوں کی طرح مت بنو جنہوں نے کفر کیا ہے اور اپنے بھائیوں کے بارے میں کہا جبکہ وہ علاقہ میں سفر کر رہے تھے یا غزوہ کر رہے تھے، اگر وہ ہمارے پاس ہوتے تو نہ مرتے اور نہ قتل کئے جاتے۔

تشریح: علامہ واحدیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ آیت کریمہ میں منافقین کی جماعت مراد ہے جنہوں نے ان لوگوں کے بارے میں کہا تھا جن کو رسول کریم ﷺ نے بئر معونہ یا رجیع کے مقام کی طرف بھیجا تھا اور ان کو نقصان اٹھانا پڑا اور تکلیف پہنچی تھی اور بعض انتقال کر گئے تھے، یہ کہا کہ اگر یہ لوگ ہمارے پاس ہوتے نہ سفر کرتے اور نہ غزوہ میں جاتے تو امن سے رہتے نہ موت آتی اور نہ قتل ہوتے، اے ایمان والو! تم اس قسم کی باتیں نہ کرو موت کا ایک وقت ہے، انسان جہاں بھی رہے، سفر ہو یا حضر موت پہنچ کر رہے گی، اس کو کوئی روکنے والا نہیں ہے اور اللہ کے راستہ میں مرجانا شہید ہو جانا بڑی نعمت

ہے،ان آیات میں زبردست تنبیہ ہے کہ ایمان والے کفار ومشرکین جیسی باتیں ہرگز نہ کریں، ان کے پاس ایمان نہیں ہے،تمہارے پاس تو ایمان ہے توتم اس کی روشنی میں باتیں کیا کرو۔

اہلِ ایمان کیلئے قرآن کی زریں تعلیمات

وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ (ال عمران)۔ترجمہ:اور ایمان والوں کواللہ پر بھروسہ کرنا چاہیئے۔

تشریح: جو اللہ پاک پر بھروسہ رکھتا ہے اللہ سبحانہ وتعالیٰ ضرور اس کا کام بنادیتے ہیں،جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے **وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ** اور جو اللہ پاک پر بھروسہ رکھتا ہے تو وہ اس کے لئے کافی ہوجاتا ہے مگر توکل کا صحیح مطلب سمجھنا بھی ضروری ہے، امام غزالیؒ لکھتے ہیں: کہ توکل اسباب چھوڑ دینے کا نام نہیں ہے بلکہ اسباب اختیار کرکے پھر اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرے،سنت نبویﷺ سے بھی یہی تعلیم دی گئی ہے،بعض لوگوں کو دھوکہ ہوگیا اور انہوں نے اسباب کو چھوڑنے کا نام توکل رکھدیا ہے حالانکہ یہ غلط ہے۔

اہل ایمان پر اللہ کا احسان (بعثت رسولﷺ)

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلاً مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلَالٍ مُّبِيْنٍ (ال عمران) ترجمہ:تحقیق اللہ پاک نے ایمان والوں پر احسان فرمایا جبکہ بھیجا ان میں ایک رسول انہی میں سے جو پڑھتے ہیں ان پر اپنے اللہ کی آیات کو اور ان کا تزکیہ کرتے ہیں اور ان کو کتاب اللہ اور حکمت کی باتیں سکھلاتے ہیں اگر چہ وہ اس سے پہلے گمراہی میں تھے۔

تشریح: ان آیات میں اللہ جل شانہ نے ایمان والوں پر احسان جتایا ہے کہ ہم نے

تمہاری ہدایت کیلئے ایک عظیم رسول بھیجا ہے جو تمہارے قبیلہ وخاندان سے ہے، یہ حقیقت ہے کہ نبی کریمﷺ کا سلسلۂ نسب ایسا ہی تھا کہ تمام قبائل کہیں نہ کہیں آپﷺ سے ملتے تھے نسبی طور پر، سوائے قبیلۂ بنی تغلب کے کہ وہ اصلاً نصاریٰ میں سے تھے،اللہ پاک نے ان کو ہدایت سے نوازتھا،ان آیات میں نبی کریمﷺ کے تین وظیفے بتائے ہیں:

(۱) آپﷺ نے اللہ پاک کی آیات کو پڑھ پڑھ کر لوگوں کو سنایا۔

(۲) لوگوں کو برے اخلاق سے پاک کیا۔

(۳) لوگوں کو کتاب اللہ اور سنت کی تعلیم دی،ان اعمال کی برکت سے لوگوں کو قرآن کریم کے الفاظ، معانی، مراد کی تعلیم حاصل ہوئی اور اخلاق حسنہ کے ساتھ تربیت سے ان کا ظاہر وباطن مجلّٰی اور مزکّٰی ہوگیا، الحمدللہ علیٰ احسانہ۔آج بھی ان باتوں پر عمل ہے اور ہر دور میں رہا ہے، تعلیم آیات یعنی قرآن کریم کی تعلیم ناظرہ، حفظ، تجوید، کا اہل مدارس نے زبردست اہتمام کیا ہے، **جزاھم اللہ فی الدارین خیراً**۔

اسی طرح تعلیم کتاب اللہ، سنت رسول اللہﷺ کا زبردست انتظام فرمایا ہے، اور تزکیۂ اخلاق کا اہتمام حضرات اہلیان خانقاہ اور صوفیاء کرام نے کیا ہے اور بے شمار لوگوں کو اچھے اخلاق پر فائز کیا ہے، اور برے اخلاق تکبر، حسد، بغض، نفرت، عداوت جیسے امراض رذیلہ سے نجات دلائی ہے، **جزاھم اللہ فی الدارین خیراً**۔اس آیت کریمہ سے ضمنی طور پر مدارس اور خانقاہوں کی فضیلت ثابت ہوتی ہے اور یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ تلاوت تعلیم قرآن وسنت اور تزکیہ یہ سب بعثت رسولﷺ کے اہم مقاصد ہیں، ان کی ترویج میں لگنے والے حضرات نبوت کے کام کو انجام دے رہے ہیں، لہذا ان کی عظمت کا اعتراف اور ان کا احترام ضروری ہے، بعض لوگ دین کے بعض شعبوں میں لگ کر اہل مدارس اور خانقاہوں پر اعتراض

کرنے لگتے ہیں ایسے لوگ اپنے انجام سے بے خبر ہیں، دراصل وہ دین کو سخت نقصان پہنچا رہے ہیں، اللہ پاک صحیح سمجھ عطا فرمائے، آمین یارب العالمین۔

اللہ پاک اہل ایمان کے اجر کو ضائع نہیں کریں گے

ارشاد باری تعالیٰ ہے: اِنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیۡعُ اَجۡرَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ (ال عمران) ترجمہ: بیشک اللہ پاک ایمان والوں کے اجر کو ضائع نہیں کریں گے۔

تشریح: اوپر آیات سے یہ مضمون چلا آرہا ہے کہ جو حضرات اللہ پاک کے راستہ میں شہید کردئے گئے ان کو مردہ نہ سمجھو بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں اور ان کے پروردگار نے جو نعمتیں ان کو بخشی ہیں وہ ان پر خوش ہیں اور اپنے بعد والوں کو ان نعمتوں کی اطلاع و بشارت سنانا چاہتے ہیں، ساتھ ساتھ یہ بات بھی ہے کہ ان پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غم میں مبتلا ہیں، اور یہ بھی بتلا دینا چاہتے ہیں کہ اللہ پاک ایمان والوں کے اجر وثواب کو ضائع نہیں کرتے ہیں، حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جب ایمان والوں کو اُحد کے دن شہادت کا مرتبہ ملا تو اللہ پاک نے شہداء کی ارواح کو سبز پرندوں کی شکل میں ڈال دیا اور وہ جنت کی نہروں میں سیر کرتے ہیں، پھل وغیرہ کھاتے ہیں اور عرش کے نیچے سونے کی قندیلیں لٹکی ہوئی ہیں، ان میں آرام کرتے ہیں، اس قدر عمدہ حال دیکھ کر ان لوگوں نے اللہ پاک سے درخواست کی کہ باری تعالیٰ ہماری یہ حالت ہمارے بعد والوں کو پہنچا دو تاکہ ان کو اطمینان ہوجائے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی و لا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ الایہ ، پھر ایمان والوں کے اوصاف بتاتے ہیں کہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی بات پر لبیک کہتے ہیں، جس وقت بھی ان کو حکم دیا جاتا ہے اور وہ اللہ پاک پر کامل بھروسہ رکھتے ہیں۔

اَلَّذِیۡنَ اسۡتَجَابُوۡا لِلّٰہِ وَالرَّسُوۡلِ مِنۡ مبَعۡدِ مَاۤ اَصَابَھُمُ الۡقَرۡحُ لِلَّذِیۡنَ اَحۡسَنُوۡا مِنۡھُمۡ وَاتَّقَوۡا اَجۡرٌ عَظِیۡمٌ اَلَّذِیۡنَ قَالَ لَھُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدۡ جَمَعُوۡا لَکُمۡ فَاخۡشَوۡا ھُمۡ فَزَادَھُمۡ اِیۡمَاناً وَقَالُوۡا حَسۡبُنَا اللّٰہُ وَنِعۡمَ الۡوَکِیۡلُ (آل عمران)۔

ترجمہ: بیشک وہ لوگ جنہوں نے اللہ اور رسول کی بات قبول کرلی اور بعد اس کے وہ زخمی ہوئے ان لوگوں کیلئے جو نیک ہیں ان میں سے اور اللہ پاک سے ڈرنے والے ہیں، ان کے لئے بڑا ثواب ہے، جن لوگوں نے کہا تھا کہ لوگوں نے تمہارے مقابلہ کیلئے بھیڑ جمع کرلی ہے ان سے ڈرو مگر یہ سن کر ان کا ایمان اور بڑھ گیا ہے اور ان لوگوں نے اللہ پاک پر بھروسہ کرتے ہوئے کہا کہ ہمیں اللہ پاک پر بھروسہ ہے اور وہ ہمارا بہترین کارساز ہے۔

ایمان کے بدلہ کفر نہ خریدو

ارشاد باری عزّ اسمہ ہے: اِنَّ الَّذِیۡنَ اشۡتَرَوُا الۡکُفۡرَ بِالۡاِیۡمَانِ لَنۡ یَّضُرُّوا اللّٰہَ شَیۡئاً وَلَھُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ (ال عمران)۔

ترجمہ: بیشک وہ لوگ جو خریدتے ہیں کفر ایمان کے بدلہ میں وہ اللہ پاک کو کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکتے ہیں ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

تشریح: ان آیات میں یہ بتلایا گیا ہے کہ ایمان کے عوض کفر اختیار کرنے سے اللہ پاک اور ان کے رسولوں کا کچھ نقصان نہیں ہے، سارے ایمان والے بن جائیں تب بھی اللہ پاک کی شان میں اضافہ نہیں ہوتا اور بالفرض العیاذ باللہ! اگر سب کفر پر جمع ہوجائیں تب بھی اللہ پاک کی شان میں کوئی کمی واقع نہیں ہوگی، ان کی شان جیسی ہے ویسی ہی رہے گی، ایمان سے اپنا ہی فائدہ ہے اور کفر سے اپنا ہی نقصان وابستہ ہے، اس کے بعد یہ بتلایا گیا ہے کہ کفار جو دنیا میں مزے کررہے ہیں یہ نہ کہیں کہ یہ ڈھیل اور مہلت ان کے

لئے بہتر ہے، بلکہ یہ بھی عذاب ہے تاکہ وہ خوب غفلت اور برائیوں میں لگے رہیں اور اسی پر ان کا خاتمہ ہو جائے، اور جہنم میں ہمیشہ ہمیشہ کیلئے داخل ہو جائیں وہیں سب مزے نکل جائیں گے۔ آگے فرمایا: اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اگر تم ایمان اور تقویٰ اختیار کرو گے تو تمہارے لئے اجر عظیم ہوگا۔

عقلمند کون لوگ ہیں؟

قرآن کریم کہتا ہے کہ عقلمند وہ حضرات ہیں جو کھڑے، بیٹھے، لیٹے ہوئے اللہ پاک کو یاد کرتے ہیں اور آسمان اور زمین کی تخلیق میں غور و فکر سے کام لیتے ہیں اور اللہ پاک کی معرفت تک پہنچ جاتے ہیں، ان کی دعاء اس طرح ہوتی ہے: **ربنا اننا سمعنا منادیاینادی للایمان ان اٰمنوا بربکم فاٰمنا ربنا فاغفرلنا ذنوبنا وکفر عنا سیئاتنا وتوفنا مع الابرار، ربنا واٰتنا ماوعدتنا علی رسلک ولا تخزنا یوم القیامۃ انک لاتخلف المیعاد** ۔ ترجمہ: اے ہمارے رب ہم نے سن لیا ایک اعلان کرنے والے کا اعلان جو ایمان والوں کیلئے تھا کہ تم اپنے رب پر ایمان لاؤ، لہذا ہم نے ایمان اختیار کرلیا بس ہمارے گناہ معاف فرما دیجئے اور ہماری برائیوں کو چھپا دیجئے اور اچھے لوگوں کے ساتھ موت دیجئے، اے ہمارے رب ہمیں وہ نعمتیں عطاء فرما جن کا آپ نے اپنے رسول کی زبانی ہم سے وعدہ فرمایا ہے اور ہمیں قیامت کے دن کسی غم میں مبتلاء مت کیجئے گا، بیشک تو (اللہ پاک) وعدہ خلافی نہیں کرتا ہے۔

تشریح: حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور دوسرے مفسرین کرام نے فرمایا کہ منادی سے مراد اللہ کے رسول ﷺ ہیں، حضرت قتادہؓ نے فرمایا کہ اللہ پاک نے ایمان والے جنّات کا قول بھی نقل فرمایا ہے **انا سمعنا قراٰنا عجباً** اور یہاں ایمان والے انسانوں کی دعاء نقل فرمائی ہے، اللہ پاک نے ایمان والوں کی دعا قبول فرمائی ہے۔ **فاستجاب لھم ربھم انی لا اضیع عمل عامل منکم من ذکر او انثی** کہ ان کے رب نے ان کی دعا قبول کی کہ میں کسی عمل کرنے والے کا اجر و ثواب ضائع نہ کروں گا مرد ہو یا عورت۔ سبحان اللہ! یہ اللہ پاک کی ایمان والوں پر بے پناہ شفقتوں اور مہربانیوں کا مظاہرہ ہے، جن کی ایمان والوں کو بے حد قدر کرنی چاہئے۔

ایمان والو! دشمن کے مقابلہ میں مضبوط رہو

ارشاد باری تعالیٰ ہے: **یا یھا الذین اٰمنوا اصبروا وصابروا ورابطوا وتقوا اللہ لعلکم تفلحون** ۔ ترجمہ: اے ایمان والو! صبر سے کام لو اور دشمن کے مقابلے میں جم کر رہو اور جہاد پر قائم رہو اور اللہ پاک سے ڈرو تاکہ تم کامیاب ہوسکو۔

تشریح: ان آیات مبارکہ پر سورۂ اٰل عمران مکمل ہوگئی ہے، ان آیات میں ایمان والوں کو صبر کی تلقین کی گئی ہے، ایک صبر تو ہے احکام وفرائض پر جم کر عمل کرنا یہ صبر فرض اور ضروری ہے، جس میں احکام، فرائض، حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا ہوسکیں، اور ایک صبر ہے برائیوں سے باز رہنا یہ بھی از حد ضروری ہے، اور ایک صبر ہے تکالیف اور پریشانیوں کو برداشت کرنا بے صبری نہ کرنا، ایت کریمہ میں یہ سب مراد ہیں، اور ان سب کے بڑے فضائل ہیں جن کا تفصیلاً تذکرہ صبر وصابرین کے ذیل میں آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ اور صابروا میں بتلایا کہ دشمن کے مقابلہ میں جم کر رہنا ہے بزدلی اور کم ہمتی کا مظاہرہ مت کرو، ایمان پر مرنا شہادت ہے اور رابطوا سے مراد جہاد ہے اور ایک قول کے مطابق اس سے مراد نماز کا انتظار ہے ایک نماز کے بعد دوسری نماز کیلئے، چنانچہ روایت میں ہے: **الا ادلکم علی مایمحوا للہ بہ ویرفع الدرجات قالو بلیٰ یا رسول اللہ قال**

اسباغ الوضوء علی المکارہ و کثرۃ الخطاء الیٰ المساجد و انتظار الصلاۃ بعد الصلاۃ (بخاری ، مسلم ، ترمذی)۔

ترجمہ: کیا تم کو ایسی باتیں نہ بتلاؤں جن سے گناہ معاف ہوں اور درجات بلند ہوں ،عرض کیا ضرور بتلایئے گا یا رسول اللہ ﷺ تو فرمایا اچھی طرح وضوء کرنا ناگواری کے باوجود سردی کے موسم میں یا مثلاً پانی خریدنا پڑتا ہے،اور مساجد کی طرف زیادہ چلنا بار بار جانا اور ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا مسجد میں ہوں یا گھر میں یا دوکان میں، جہاں بھی ہوں،حضرت نے فرمایا یہ رباط ہے یہ رباط ہے یہ رباط ہے،یعنی سرحدوں کی حفاظت ہے، کیونکہ نماز کی مواظبت بھی دشوار کام ہے(بخاری،مسلم،ترمذی)۔

عورتوں کے ساتھ حسن سلوک

یا یھا الذین آمنوا لا یحل لکم ان ترثوا النساء کرھا و لا تعضلوھن لتذھبوا ببعض ما اتیتموھن الا ان یاتین بفاحشۃ مبینۃ وعاشروھن بالمعروف فان کرھتموھن فعسی ان تکرھوا شیئا ویجعل اللہ فیہ خیرا کثیرا (سورۂ نساء)۔

ترجمہ: اے ایمان والو تم کو یہ بات حلال نہیں ہے کہ عورتوں کے جان و مال کے جبراً مالک ہو جاؤ اور ان عورتوں کو اس غرض سے مقید مت کرو کہ جو کچھ تم لوگوں نے ان کو دیا تھا اس میں سے کوئی حصہ وصول کر لو مگر وہ عورتیں کوئی صریح ناشائستہ حرکت کریں اور ان عورتوں کے ساتھ خوبی سے نباہ کرو اگر بمقتضائے طبیعت وہ تم کو پسند نہ ہوں تو ممکن ہے کہ تم ایک شی ءکو ناپسند سمجھو اور اللہ نے اس کے اندر کوئی بڑی خیر رکھی ہو۔

تشریح: مذکورہ آیات میں ان مظالم کی روک تھام کی گئی ہے جو اسلام سے پہلے عورتوں پر کئے جاتے تھے، انہیں میں سے ایک ظلم یہ تھا کہ مرد عورتوں کی جان و مال کا اپنے آپ کو مالک سمجھتے تھے عورت جس کے نکاح میں آ گئی وہ اس کی جان کو بھی اپنی ملک سمجھتا تھا اور اس کے مرنے کے بعد اس کے وارث جس طرح اس کے متروکہ مال کے وارث اور مالک ہوتے تھے اسی طرح اس کی بیوی کے بھی مالک اور وارث مانے جاتے ، چاہے وہ خود اس سے نکاح کر لیں یا دوسرے کسی سے مال لے کر اس کا نکاح کر دیں ، شوہر کا لڑکا جو دوسری بیوی سے ہوتا وہ خود بھی باپ کے بعد اس کو اپنے نکاح میں لا سکتا تھا اور جب عورتوں کی جان ہی اپنی ملک سمجھ لی گئی ت و مال کا معاملہ تو ظاہر ہے اور اس ایک بنیادی غلطی کے نتیجہ میں عورتوں پر طرح طرح کے صدہا مظالم ہوا کرتے تھے، مثلاً ایک ظلم یہ تھا کہ جو مال عورت کو کہیں سے وراثت میں ملا یا اس کے میکے والوں کی طرف سے بطور ہدیہ تحفہ ملا بیچاری عورت اس سب سے محروم و بے تعلق رہتی ہے اور یہ سب مال سسرال کے مرد ہضم کر لیتے تھے، دوسرا ظلم یہ ہوتا تھا کہ اگر عورت نے اپنے حصۂ مال پر کہیں قبضہ کر بھی لیا تو مرد اس کو نکاح کرنے سے اس لئے روکتا تھا کہ یہ اپنا مال باہر نہ لے جا سکے بلکہ یہیں مر جائے اور مال چھوڑ جائے تو ہمارے قبضہ میں آ جائے ، تیسرا ظلم کہیں کہیں یہ بھی ہوتا تھا کہ بعض اوقات بیوی کا قصور نہ ہونے کے باوجود محض طبعی طور پر وہ شوہر کو پسند نہ ہوتی تھی تو شوہر اس کے حقوق زوجیت ادا نہ کرتا مگر طلاق دے کر اس کی خلاصی بھی اس لئے نہیں کرتا تا کہ یہ پریشان ہو کر زیور اور مہر جو وہ اسے دے چکا ہے واپس کر دے یا اگر ابھی نہیں دیا تو معاف کر دے تب اسے آزادی ملے گی ، اور بعض اوقات شوہر طلاق بھی دیتا لیکن پھر بھی اس مطلقہ کو کسی دوسرے سے نکاح نہیں کرنے دیتا تا کہ وہ مجبور ہو کر اس کا دیا ہوا مہر واپس کر دے یا واجب الادا مہر کو معاف کر دے، چوتھا

ظلم بعض اوقات یوں ہوتا تھا کہ شوہر مر گیا اس کے وارث اس کی بیوی کو نکاح نہیں کرنے دیتے جاہلانہ عار کی وجہ سے یا اس طمع میں کہ اس کے ذریعہ سے کچھ مال وصول کریں یہ سب مظالم اس بنیاد پر ہوتے تھے کہ عورت کے مال بلکہ اس کی جان کے بھی اپنے آپ کو مالک سمجھتے تھے، قرآن کریم نے اس فساد کی بنیاد کو اکھاڑ ڈالا اور اس کے ساتھ ہونے والے تمام مظالم کے انسداد کیلئے ارشاد فرمایا: اے ایمان والو تمہارے لئے یہ حلال نہیں کہ تم جبراً عورتوں کے مالک بن بیٹھو، جبراً کی قید اس جگہ بطور شرط کے نہیں کہ عورتوں کی رضامندی سے ان کا مالک بنجانا صحیح قرار دیا جائے، بلکہ بیان واقعہ کے طور پر ہے کہ عورتوں کی جان کا بلا وجہ شرعی وعقلی مالک بن بیٹھنا ظاہر ہے کہ جبراً ہی ہوسکتا ہے، اس پر کوئی ہوو عقل والی عورت راضی کہاں ہوسکتی ہے (معارف القرآن رص ۳۵۰)۔

الحاصل: عورتوں پر مظالم کی مذمت اور وعید ہے، زمانۂ جاہلیت میں دوسری طرح کے مظالم تھے اور اب دوسری طرح کے مظالم ہیں، سب ممنوع ہیں اور ان کے ساتھ اچھے معاملات کرنے کا حکم فرمایا گیا ہے، اور یہ کہ محض ناگواری کی وجہ سے بیوی کو طلاق نہ دے، ہوسکتا ہے کہ اس سے نیک صالح اولاد پیدا ہوجائے تو دنیا میں نیک نامی اور آخرت میں ذریعہ نجات بن جائے۔

ایمان والو! ایک دوسرے کا مال ناحق طریقہ سے مت کھاؤ

ارشاد باری ہے: **یا یھاالذین اٰمنوا لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل الا ان تکون تجارۃ عن تراض منکم ولا تقتلوا انفسکم ان اللہ کا بکم رحیما ومن یفعل ذٰلک عدوانا وظلما فسوف نصلیه نارا وکان ذٰلک علی اللہ یسیرا** (سورۃ النساء، آیت ۲۸،۲۹)۔

ترجمہ: اے ایمان والو! مت کھاؤ (استعمال مت کرو) ایک دوسرے کا مال غلط طریقہ سے مگر یہ کہ تجارت ہو رضامندی سے اور مت قتل کرو اپنے آپ کو بیشک اللہ پاک تم پر مہربان ہیں اور جو یہ کام کرے گا (مال باطل طریقہ پر کھانا اور قتل نفس) یعنی ایک دوسرے کا مال غیر حلال طریقہ سے استعمال کرنا، عدوان (دشمنی) وظلم کے طور پر تو ہم اس کو جہنم میں داخل کردیں گے اور یہ اللہ کیلئے بہت آسان ہے۔

تشریح: قمار، رباء، غصب، سرقہ، خیانت، اور تمام خلاف شرع طریقے اس میں داخل ہوکر ممنوع ہوجائیں گے (کذافی البحر المحیط رص ۲۴۰) ہاں مگر تجارت جو شرعی اصول کے مطابق ہو اس کے ذریعہ حاصل کیا ہوا مال حلال وطیب ہے اور ایک دوسرے کو قتل نہ کرو کیونکہ تم سب ایک دین ومذہب کے لوگ ہو تو تم سب ایک جان کی طرح ہو، ایک دوسرے کو قتل کرنے سے مسلمانوں کی طاقت کمزور پڑ جائے گی اور غیروں میں بدنامی ہوجائے گی کہ مسلمان لوگ آپس میں ایک دوسرے کو قتل کردیتے ہیں، لہذا ہرگز ایسا نہ کرو، اور بعض مفسرین نے خودکشی کی مخالفت پر اس سے استدلال کیا ہے جیسا کہ علامہ واحدی نے الوسیط میں لکھا ہے، بہرحال دونوں چیزیں سخت ممنوع ہیں ایک دوسرے کو قتل کرنا بھی اور خود اپنے آپ کو ہلاک کرنا بھی دونوں کی سزائیں بھی سخت ہیں۔

مسلمان کو قتل کرنے کی سزا

ایک جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: **وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِناً مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّلَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا** (سورۃ النساء، آیت ۹۳) ترجمہ: اور جو کوئی قتل کرے گا کسی مؤمن کو جان کر تو اس کی سزا جہنم ہے، پڑا رہے گا اسی میں ہمیشہ ہمیشہ اور اللہ پاک کا غصہ اس پر واقع ہوگا اور لعنت پڑے گی اور اللہ پاک نے اس

کیلئے بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

تشریح: اس قدر سخت سزا کے باوجود مسلمان ایک دوسرے کو قتل کریں تو اس سے زیادہ قساوتِ قلبی اور بدنصیبی اور شرم کی کیا بات ہوگی۔

حدیث شریف میں ہے: **عن ابن عباسؓ عن النبی صلی الله علیه وسلم قال یجیء المقتول بالقاتل یوم القیامة ناصیته وراسه بیده واوداجه تشخب دماً یقول یارب قتلنی حتی یدنیه من العرش** (رواہ الترمذی، مشکوٰۃ، ج ۲/ص ۲۰۱) ترجمہ: ابن عباسؓ سے مروی ہے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ مقتول قاتل کو پکڑ کر لائے گا روز قیامت میں اس کی پیشانی اور سر مقتول کے ہاتھ میں ہوگا اور اس کی رگوں سے خون بہتا ہوگا اور کہتا ہوگا کہ میرے رب اس نے مجھے قتل کیا تھا یہاں تک کہ عرش کے قریب ہوجائے گا۔

عن ابن عمرؓ قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لن یزال المؤمن فی فسحة من دینه مالم یصب دماً حراماً (رواہ البخاری، مشکوٰۃ، ج ۲/ص ۲۹۹) ترجمہ: ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ مؤمن برابر اللہ پاک کی رحمت میں رہتا ہے جبکہ اس نے کسی کا ناحق خون نہ کیا ہو، یعنی ناحق خون کرنے میں جب ملوث ہوجاتا ہے تو اللہ پاک کی رحمت کے بجائے غصے اور لعنت اور عذاب وقہر کا محل بن جاتا ہے، العیاذ باللہ۔

خودکشی کی وعید

خودکشی کی وعید وسزا بیان کرتے ہوئے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے: **عن ابی ھریرةؓ قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من تردی من جبل فقتل نفسه فهو فی جهنم یتردی فیها خالدا مخلداً فیها ابدا ومن تحسا سماً فقتل نفسه فسمه فی**

یده یتحساه فی نار جهنم خالداً مخلداً فیها ابداً ومن قتل نفسه بحدیدة فحدیدته فی یده یتوجأ بها فی بطنه فی نار جهنم خالداً مخلداً فیها ابداً (متفق علیہ مشکوٰۃ، ج ۲/ص ۲۹۹) ترجمہ: ابوہریرہؓ سے مروی ہے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جو شخص اپنے کو پہاڑ سے گرا کر ہلاک کرے گا تو وہ خود کو جہنم کی آگ میں پہاڑ سے گرا کر ہلاک کرتا رہے گا اور یہ سلسلہ ہمیشہ ہمیشہ چلے گا اور جس نے زہر کھا کر اپنے کو مار ڈالا تو اس کا زہر اس کے ہاتھ میں ہوگا جہنم کی آگ میں اور ہمیشہ ہمیشہ رہ کر ایسا ہی کرتا رہے گا اور جس نے دھار دار تیز چیز سے اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالا تو وہ چیز اس کے ہاتھ میں ہوگی جہنم کی آگ میں اور وہ ہمیشہ ہمیشہ ایسا ہی کرتا رہے گا۔

کس قدر سخت وعید ہے خودکشی کی، الغرض جس چیز سے اس نے اپنے آپ کو ہلاک وبرباد کیا اس جیسی چیز سے اس کے ساتھ یہ عمل جہنم میں ہمیشہ ہمیشہ ہوتا رہے گا (العیاذ باللہ) آگے تمام کبائر یعنی بڑے گناہوں کے چھوڑنے کی ترغیب دیتے ہیں۔

ارشاد باری ہے: **اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَائِرَ مَاتُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُدْخَلاً كَرِيْمًا** (سورۃ النساء آیت ۲۱) ترجمہ: اگر تم بچو گے ان بڑے گناہوں سے جن سے تم کو روکا گیا ہے تو ہم معاف کردیں گے تمہارے چھوٹے گناہوں کو بھی اور تم کو بہترین عزت والی جگہ (جنت) میں داخل کردیں گے۔

نشہ کی حالت میں نماز کی ممانعت

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوْا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِىْ سَبِيْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا (سورۃ النساء) ترجمہ: اے ایمان والو! بحالت نشہ نماز کے قریب نہ آؤ یہاں تک کہ تم کو معلوم ہوجائے کہ تم کیا کہتے

اور نہ جنابت کی حالت میں (مسجد میں داخل ہو) ہاں مگر راستہ گزرتے ہوئے یہاں تک کہ غسل کرلو۔

تشریح: علامہ واحدیؒ لکھتے ہیں کہ مفسرین نے فرمایا کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ صحابی رسول اللہ ﷺ نے دعوت کی، بہت سے حضرات نے دعوت میں شرکت کی اور کھانے پینے کا دور چلا اس میں شراب بھی تھی پھر نماز مغرب کا وقت آ گیا تو بعض حضرات کو آگے کردیا گیا تو انہوں نے سورۂ کافرون کی تلاوت کی اور بالکل غلط تلاوت کردی جس سے معنی بالکل بدل کر کچھ کا کچھ ہوگیا، اس پر یہ آیات نازل ہوئیں، اس وقت تک شراب کی حرمت قطعی طور پر نازل نہیں ہوئی تھی اس وجہ سے ایسا ہوا تھا، بہرحال شراب ونشہ کی حالت میں نماز نہیں ہوتی شراب کی حرمت پر بہت سی آیات واحادیث شاہد ہیں، افسوس بہت سے مسلمان لوگ شراب میں مبتلا ہوگئے ہیں حالانکہ شراب انتہائی منحوس چیز ہے جس سے عقل، مال، صحت، جوانی، اہل وعیال تک تباہ وبرباد ہوجاتے ہیں اور آدمی جانور جیسا بن جاتا ہے۔

دوسری بات: مسجد میں جنابت کی حالت میں داخل ہونا اور رہنا ممنوع ہے یہی قول جمہور علماء کا ہے اور مجبوری کی حالت میں گذرنا جائز ہے بعض علماء کے نزدیک، اور احناف فرماتے ہیں جنابت کی حالت میں مسجد میں داخل ہونا اور گزرنا دونوں منع ہیں البتہ مسافر کیلئے گنجائش ہے کہ تیمّم کے ساتھ گزرجائے واللہ اعلم بالصواب۔

اہل کتاب کوایمان نہ لانے پرزجروتوبیخ

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰى اَدْبَارِهَا اَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّا اَصْحٰبَ السَّبْتِ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ۔ترجمہ۔اے وہ لوگ جن کو کتاب دی گئی ہے، ایمان لاؤ اس کتاب پر

جس کو ہم نے نازل کیا ہے (قرآن) جبکہ وہ تصدیق کرنے والی کتاب ہے ان چیزوں کی جو تمہارے پاس ہیں اس سے قبل کہ ہم مٹا ڈالیں بہت سے چہروں کو پھر الٹ دیں ان کو پیٹھ کی طرف یا لعنت کریں ان پر جیسے ہم نے لعنت کی ہفتہ کے دن والوں پر اور اللہ کا حکم تو ہو کر ہی رہتا ہے۔تشریح:۔آیات سابقہ میں یہود کی ضلالت اور مختلف برائیوں کا تذکرہ کیا گیا ہے اب ان کو خاص طور پر ایمان اور قرآن کریم کا حکم کیا جارہا ہے اور اسکی مخالفت سے ڈرایا جارہا ہے مطلب یہ ہیکہ اے اہل کتاب ایمان لاؤ قرآن کریم پر جس کے احکام موافق ہیں توریت کے اس سے قبل کہ ہم مٹاڈالیں تمہارے چہروں کے نشانات اور یہ کہ تمہار صورتیں بدل ڈالیں، الٹ دیں تمہارے چہروں کو پیٹھ کی طرف (خدا کی پناہ یا کہ تم کو مسخ کردیں جیسا کہ اصحاب السبت مسخ کر کے بندر بنادئے گئے تھے جس کا قصہ سورہ اعراف میں مذکور ہوا ہے۔(از تفسیر عثمانی) تفسیر البحرالمحیط میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودی علماء کو اسلام اور قرآن کے ماننے کی دعوت و ترغیب دی اور فرمایا کہ تم جانتے ہو کہ جو میں لیکر مبعوث ہوا ہوں بالکل برحق ہے اس پر انہوں نے انکار کیا تب یہ آیت نازل ہوئی۔

علامہ واحدیؒ نے ''الوسیط'' میں فرمایا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اپنے گھر والوں کے پاس جانے سے پہلے دربار نبوی ﷺ میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کرلیا اور عرض کیا کہ کہیں میرا چہرہ مسخ اور تبدیل نہ ہوجائے اس سے قبل میں نے اسلام قبول کیا ہے۔حضرت ابراہیم نخعیؒ سے منقول ہے کہ کعب احبار نے جب یہ آیت ایک صحابی سے سنی جورات کو آیت کی تلاوت کررہے تھے تو حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوکر انہوں نے اسلام قبول کیا اور یہ بھی مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے یہ آیت پڑھی تو

کعب بن احبار نے کہا کہ اس وعید شدید سے قبل میں نے اسلام قبول کرلیا ہے، اے رب! میں ایمان لایا اور اطاعت قبول کی کہیں مجھ کو یہ عذاب نہ پہنچ جائے۔

ان آیات میں سخت وعید ہے کہ اہل کتاب پر دنیا ہی میں اس قسم کا عذاب نازل ہوسکتا ہے اگر وہ ایمان نہ لائے اور بہت جگہ سنا جارہا ہے کہ صورتیں بدل گئی ہیں جیسا کہ امریکہ کے بارے میں چند ایام قبل رسالوں میں آیا تھا کہ وہاں اس قسم کا واقعہ پیش آیا ہے، الامان والحفیظ۔

ایمان والوں کے لئے بشارت عظمٰی

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا لَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيْلًا (سورۂ نساء)

ترجمہ: اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے ہم عنقریب ان کو ایسے باغات میں داخل کردیں گے جن کے نیچے سے نہریں جاری ہوں گی اور وہاں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، ان کے لئے وہاں پاکیزہ بیویاں ہونگی اور ہم ان کو گھنے سایہ میں داخل کریں گے۔

تشریح: امام رازیؒ نے فرمایا ہے کہ چونکہ بلاد عرب سخت گرم تھے موسم کے اعتبار سے، اس لئے سایہ ان کے نزدیک بڑی نعمت اور راحت کی چیز شمار ہوتا تھا، اس وجہ سے قرآن کریم میں ''ظِلاً ظلیلاً'' کا تذکرہ فرمایا گیا ہے۔

ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو

ارشاد باری ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا (سورۂ نساء)۔

ترجمہ: اے ایمان والو اطاعت کرو اللہ پاک کی اور اللہ کے رسول ﷺ کی اور اپنے ذمہ داروں کی اگر کسی کے بارے میں تم میں جھگڑا ہوجائے تو اسکو اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا دو اور اگر تم واقعی اللہ پاک اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو یہ بہتر ہے اور انجام کے اعتبار سے اچھا ہے۔

تشریح: اوپر آیات میں اس بات کا حکم فرمایا گیا ہے کہ امانات (ذمہ داریاں) مستحق کے حوالہ کردو'' جو جس کام کا اہل ہو وہ کام اس کے سپرد کردو اور اس میں ذمہ داروں کو بھی حکم ہے...... کہ اپنی ذمہ داریاں صحیح طور پر ادا کریں رعایا کے حقوق سمجھیں اور ان کو ادا کریں'' ان اچھی باتوں کا اللہ پاک تمہیں حکم فرماتے ہیں، بیشک اللہ پاک خوب سننے والا ہے، اس کے بعد یہ حکم فرمایا ہے کہ ایمان والو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو یعنی قرآن وسنت کی اتباع کرو، اور اپنے ذمہ داروں یعنی فقہاء، علماء، صلحاء کی اطاعت کرو جو لوگوں کو دین سکھلاتے ہیں، اور اللہ کی کتاب سکھاتے ہیں، اللہ پاک نے ان کی اطاعت بھی ضروری قرار دی ہے، یہ قول حسن بصری ضحاک اور مجاہد رحمہم اللہ جیسے کبار مفسرین سے مروی ہے، اور عند البعض ذمہ داروں سے مراد والی اور حاکم اور سلطان ہیں جو انتظام سنبھالتے ہیں ان کی اطاعت ضروری ہے، یہ قول حضرت عطاءؒ، ابن زیدؒ وغیرہما کا ہے، نیز فرمایا گیا ہے کہ اپنے اختلافی معاملات کو کتاب وسنت سے حل کرو، کفار کی عدالتوں میں اپنے معاملات لے جاکر اپنا مال، عزت، وقت ضائع نہ کرو۔ یہ تمہارے لئے بہتر ہے اور انجام وعافیت کے اعتبار سے خوب تر ہے۔

اُولِي الْاَمْرِ کے مصداق کے سلسلہ میں ''البحر المحیط'' میں اور بھی اقوال مروی ہیں، آگے ان لوگوں کی مذمت بیان کرتے ہیں جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم قرآن اور دوسری کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں اس کے باوجود اپنے اختلافی معاملات کا حل بجائے اللہ

(قرآن) اور اس کے رسول ﷺ (سنت) سے کرانے کے منافقین اور شیطان قسم کے انسانوں سے کراتے ہیں ایسے لوگ ہدایت پر نہیں ہو سکتے ہیں۔

چنانچہ یہودی اور منافق کے درمیان جھگڑا تھا، یہودی رسول اللہ ﷺ کے پاس چلنے کیلئے کہہ رہا تھا اور منافق (مدعی ایمان) کعب بن اشرف (یہودی لیڈر) کے پاس چلنے کیلئے کہہ رہا تھا، آخر کار دونوں آپ ﷺ کی خدمت میں جھگڑا لائے آپ ﷺ نے بیانات سننے کے بعد یہودی کے حق میں فیصلہ فرمایا کیونکہ وہ سچا اور حق پر تھا اس پر اس منافق سے رہا نہ گیا اور باہر نکل کر کہنے لگا کہ ہم دوبارہ یہ جھگڑا حضرت عمرؓ سے حل کرائیں گے، جب وہاں گئے تو یہودی نے باتوں میں یہ بھی بتلا دیا کہ ہم دونوں حضور ﷺ کی خدمت میں گئے تھے اور آپ ﷺ نے فیصلہ میرے حق میں فرمایا، مگر اس نے نہیں مانا اور حضرت عمرؓ اندر تشریف لے گئے اور تلوار لائے اور اس منافق کی گردن اُڑا دی اور یہ فرمایا اللہ کے رسول ﷺ کے فیصلہ پر جو راضی نہ ہو اس کا فیصلہ عمر کی تلوار کرتی ہے۔مقتول منافق کے وارث نے حضرت عمرؓ پر قتل کا دعویٰ کیا اس پر یہ آیت حضرت عمرؓ کی تائید میں نازل ہوئی اور اسی دن سے حضرت عمرؓ کا لقب فاروق رکھا گیا (حق و باطل میں فرق و امتیاز کرنے والا)۔

ان آیات کے بعد فرماتے ہیں کہ ایمان کامل تب ہوگا جب اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے فیصلہ پر دل وجان سے راضی رہو گے، چنانچہ ارشاد باری ہے:

فَلاَ وَرَبِّکَ لاَ یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَھُمْ ثُمَّ لاَ یَجِدُوْا فِیْٓ اَنْفُسِھِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَیُسَلِّمُوْا تَسْلِیْماً (سورۂ نساء)۔ترجمہ: قسم ہے تیرے رب کی یہ لوگ ہرگز مکمل ایمان والے نہیں ہونگے جب تک کہ اپنے تمام اختلافی معاملات میں آپ ﷺ کو حکم بنانے کے لئے تیار نہ ہوں اور پھر جو فیصلہ آپ ﷺ کر دیں ......تو اپنے دل میں کوئی تنگی اور حرج محسوس نہ کریں بلکہ دل وجان سے راضی ہوں۔

تشریح: یعنی محض ایمان کے دعویٰ سے حقیقۃً ایمان والے نہیں مانے جاسکتے، یہ کیا معاملہ ہے کہ ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں اور آپ ﷺ کے فیصلہ کی مخالفت کرتے ہیں یہ ایمان کے غیر کامل ہونے کی علامت ہے، امام مجاہد، عطاء، شعبی رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ یہودی اور منافق کے قصہ میں یہ آیت نازل ہوئی ہے، بعض مفسرین فرماتے ہیں اس کا تعلق دوسرے قصے سے ہے جو ایک انصاری اور حضرت زبیرؓ کے درمیان تھا، دونوں کے کھیت کے قریب پانی کی چھوٹی نہر جاری تھی پہلے کون اپنا کھیت سیراب کرے اسی میں جھگڑا تھا، یہ معاملہ دربارِ نبوی ﷺ میں آیا تو آپ ﷺ نے حضرت زبیرؓ کو فرمایا کہ تم پہلے اپنا کھیت سیراب کر کے پانی ساتھی کیلئے چھوڑ دو، اس پر وہ انصاری ناراض اور غصہ ہو گیا، کہ زبیر چونکہ رشتہ دار ہیں اس وجہ سے ان کی طرف داری کی گئی ہے حالانکہ یہ فیصلہ بالکل صحیح تھا کہ نہر حضرت زبیرؓ کے کھیت کے متصل تھی بعد میں اس انصاری کا کھیت تھا، اور حضور ﷺ نے یہ فرمایا تھا کہ تم معمولی سیراب کر کے پانی چھوڑ دو تاکہ اس کا کام بھی ہو جائے جب حضور ﷺ نے یہ بات دیکھی تو فرمایا کہ اے زبیر تم پہلے اچھی طرح اپنا کھیت سیراب کرو جب پانی کھیت کے کناروں کے اوپر آئے گا تب پانی چھوڑ دو، اب یہی فیصلہ ہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی، امام ترمذیؒ وغیرہ نے یہ قصہ ''کتاب التفسیر'' میں نقل کیا ہے اور دوسرے مفسرین نے اپنی کتب تفاسیر میں نقل کیا ہے۔

اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرنے والوں کا مبارک انجام

ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ

عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصَّالِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا (سورۂ نساء آیت ۶۹)۔

ترجمہ: اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرے گا تو وہ ان حضرات کے ساتھ ہوگا جن پر اللہ نے خصوصی انعام فرمایا (یعنی نبیوں، صدیقوں، شہیدوں اور نیکوں کے ساتھ ہوگا) اور یہ بہترین ساتھی ہیں یہ اللہ تعالیٰ کا احسان عظیم ہے، اور اللہ پاک کافی جاننے والے ہیں۔

تشریح: ان آیات میں کس قدر عظیم الشان بشارت ہے اس کیلئے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرے کہ اس کا انجام ان لوگوں کے ساتھ ہوگا جن سے بڑھ کر کوئی طبقہ، کوئی جماعت، کوئی گروہ ممکن نہیں، ان سے بہتر رفیق اور ساتھی کوئی نہیں ہوسکتا **(اللھم احشرنا معھم اجمعین آمین یا رب العالمین)۔**

تفسیر ''الوسیط'' میں ہے کہ سُدّیؒ نے فرمایا کہ بہت سے انصاری صحابہ کرامؓ بارگاہ رسالت ﷺ میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ تو جنت میں اعلیٰ مقام پر ہونگے اور ظاہر ہے کہ ہم اس مقام پر نہیں ہونگے لہذا ہمیں جب آپ کی ملاقات کا اشتیاق ہوگا تو کیسے ملاقات ہوگی؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ امام شعبیؒ سے مروی ہے کہ ایک انصاری صحابی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں روتے ہوئے حاضر ہوئے، آپ ﷺ نے پوچھا کیوں رو رہے ہو؟ عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اس ذات کی قسم جس کے علاوہ کوئی دوسرا معبود نہیں ہے، آپ ﷺ مجھے میری ذات، میرے اہل وعیال، میرے مال واولاد سے زیادہ محبوب ہیں، میں یہاں دنیا میں جب آپ ﷺ کو یاد کرتا ہوں تو حاضر ہوجاتا ہوں اور اپنی تسلی کرلیتا ہوں مگر آخرت میں تو آپ ﷺ انبیاء کے ساتھ اعلیٰ مقام پر ہونگے اور میں اگر داخل بھی ہوا تو نیچے کہیں ہونگا، آپ ﷺ کی زیارت وملاقات سے محروم رہوں گا تو ایسی جنت میں کیا لطف ومزا ہوگا جس میں محبوب کی زیارت وملاقات نہ ہو، اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی کہ تسلی رکھو وہاں انبیاء سے ملاقات اور ان کی خدمت میں حاضری کا موقع ملے گا اگرچہ وہ بلند مقام پر ہونگے۔

تفسیر البحر ''المحیط'' میں حضرت ثوبانؓ جو آپ ﷺ کے آزاد کردہ غلام ہیں ان کے متعلق اس طرح لکھا ہوا ہے کہ ان کو حضور اقدس ﷺ سے بہت زیادہ محبت تھی ایک دن آئے تو غم کی وجہ سے رنگ بدلا ہوا جسم کمزور، حالت خراب تھی، آپ ﷺ نے معلوم فرمایا تو مذکورہ بات عرض کی جس پر یہ آیت نازل ہوئی، اسی طرح حضرت عبداللہ بن زیدؓ وغیرہ صحابہ کرامؓ سے اس طرح کا سوال مروی ہے، بہر حال مطلب یہ ہے کہ مؤمنین انبیاء صدیقین، صالحین اور بلند درجہ حضرات کی زیارت وملاقات کا شرف حاصل کریں گے، اور بلند درجات والے حضرات نیچے اتریں گے اور اپنے سے کم درجات والے حضرات سے ملاقات کریں گے، تا کہ اللہ پاک کی نعمتوں کی قدردانی زیادہ ہو، ایک درجہ میں رہنا مراد نہیں ہے۔ امام رازیؒ نے اس سے یہ مستنبط فرمایا کہ ارواح ناقصہ جب دنیاء میں ارواح کاملہ سے تعلق واتصال پیدا کرلیتی ہیں تو مفارقت دنیوی کے بعد بھی یہ اتصال وتعلق قائم اور باقی رہتا ہے (کذا فی البحر المحیط ۲/۲۹۹)۔

پھر نبوت کے بعد والے اوصاف ثلثہ یعنی صدیقیت، شہادت اور صلاح ایک شخص کے اندر بھی جمع ہوسکتے ہیں اور الگ الگ اقسام بھی مراد ہوسکتی ہے۔ بہر حال صدیق، کثیر الصدق اور ایک قول کے مطابق کثیر الصدقہ کو کہا جاتا ہے، دین میں نبوت ورسالت کے بعد صدیقیت سے بڑھ کر دوسرا مقام نہیں ہے، ہمارے حضرت مولانا شاہ محمد احمدؒ نے فرمایا کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کے بعد نعمائے الٰہیہ کے دسترخوان پر جو گروہ بیٹھا ہے وہ صدیقین کا گروہ ہے ان کا درجہ

انبیاء علیہم السلام کے بعد ہے، قرب خداوندی کے شرفِ عظیم سے یہ حضرات حصہٗ وافرہ حاصل کرتے ہیں۔ تفسیر البحر المحیط میں امام راغبؒ کے حوالے سے لکھا ہے کہ اللہ پاک نے اس آیت میں مؤمنین کو چار قسم پر تقسیم فرمایا ہے، اور ان کیلئے چار منازل ودرجات قائم فرمادئے ہیں، پہلا گروہ معشر انبیاء اور رسل کا ہے، الٰہی قوت وطاقت، ان کی تائید وحمایت اور تقویت کرتی ہے اور ان کی مثال ایسی ہے جیسا کہ کسی شئی کو انتہائی قریب سے دیکھنے والا ہوتا ہے، اسی طرح یہ حضرات اللہ تعالیٰ کے جلال و جمال، کمال ونوال اور ان کے انوار وبرکات وغیرہ کا قریب سے مشاہدہ کرنے والے حضرات ہیں، اسی وجہ سے اللہ پاک نے فرمایا ہے: **اتمارونه علیٰ مایریٰ** کیا تم شک کرتے ہو اس کا جس کو انہوں نے دیکھا ہے۔

دوسرا گروہ صدیقین کا ہے، اور یہ حضرات معرفت الٰہیہ اور قرب خداوندی میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے فضل وکرم سے انبیاء کے قریب مگر ان کے بعد ہیں اور ان کی مثال ایسی ہے جیسا کہ کوئی کچھ فاصلہ سے کوئی چیز دیکھتا ہے، یہ حضرات صدیقین کی شان ہے کہ وہ دل کی آنکھ سے اور ایمان کی آنکھ سے مشاہدۂ باری عزّ اسمہ میں مستغرق رہتے ہیں۔

تیسرا گروہ شہداء حضرات کا ہے۔ وہ دلائل وبراہین سے اشیاء کی معرفت حاصل کرتے ہیں ان کی مثال ایسی ہے جیسا کہ کوئی آئینہ میں قریب کی چیز کا مشاہدہ کرتا ہے، جیسا کہ بعض حضرات سے منقول ہے کہ فرمایا کہ میں گویا عرش الٰہی کا مشاہدہ کرتا ہوں اور نبی کریم ﷺ کے فرمان **اعبدالله کانک تراه** میں یہی مراد ہے کہ اللہ پاک کی عبادت اس طرح کر گویا کہ تو اس کو دیکھ رہا ہے۔

چوتھا طبقہ اور گروہ صالحین کا ہے، یہ حضرات راسخین فی العلم کی تقلید واتباع میں مقاصد حسنہ تک پہنچ جاتے ہیں، ان کی مثال ایسی ہے جیسا کہ کوئی آئینہ میں دور کی چیز کا مشاہدہ کرتا ہے، عکرمہؒ نے فرمایا: نبیوں سے مراد حضرت محمد ﷺ اور صدیقین سے مراد حضرت ابوبکر صدیقؓ اور شہداء سے مراد حضرت عمرؓ وحضرت عثمانؓ وحضرت علیؓ ہیں، اور صالحین سے مراد امت کے نیک حضرات ہیں، یہ بطور مثال ہے (کذا فی البحر المحیط ۳۰۰/۲)۔

ایمان والوں کو دشمن سے مقابلہ کیلئے تیار رہنے کا حکم

ارشاد باری تعالیٰ ہے: **یَاأَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَکُمْ فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِ انْفِرُوْا جَمِیْعًا** (سورۂ نساء آیت ۷۱) ترجمہ: اے ایمان والو! لے لو ہتھیار پھر نکلو علیٰحدہ علیٰحدہ یا نکلو سب ایک ساتھ۔

تشریح: ان آیات میں رب العزت والجلال نے مسلمانوں کو دشمن کے مقابلہ کیلئے تیاری کرنے اور تیار رہنے کا حکم فرمایا ہے معلوم نہیں کس وقت دشمن حملہ کردے، لہٰذا اس سے بے خبر نہ رہو، دشمن سے مقابلہ کیلئے کبھی متفرق طور پر جماعتیں بنا کر اور کبھی ساری فوج ایک ساتھ مل کر چلنا پڑتا ہے، یہ موقع اور محل کے اعتبار سے ہوتا ہے، کیونکہ جہاد فرض عین نہیں ہے ہاں جبکہ نفیر عام کا اعلان شاہ اسلام کی طرف سے ہوجائے تو اس وقت ہر ایک پر ضروری ہوجاتا ہے، نفیر عام کے بغیر دیگر حالات میں جہاد فرض کفایہ ہے، جہاد سے اسلام کو قوت وطاقت ملتی ہے، آپس میں اتحاد واتفاق قائم رہتا ہے، دشمن کے حوصلے پست ہوجاتے ہیں، خدا کی زمین خدا کے باغیوں سے پاک ہوجاتی ہے، یہ ایک قسم کا آپریشن ہے جس سے مادۂ فاسد کا خروج ہوتا ہے، مگر جہاد کیلئے اصول وضوابط بھی ہیں، حدود وقیود بھی ہیں، ان کا لحاظ کئے بغیر جہاد، جہاد نہیں بلکہ فساد بن جاتا ہے جس سے اللہ پاک کا قہر اور ناراضگی مسلط ہوسکتا ہے، کیونکہ اللہ پاک کو فساد پسند نہیں ہے، کیونکہ ارشاد باری ہے: **اِنَّ اللّٰهَ لَایُحِبُّ الْفَسَادَ** اور کہیں پر تو یوں فرمایا: **اِنَّ اللّٰهَ لَایُحِبُّ الْمُفْسِدِیْنَ** اللہ پاک فساد اور فساد کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے ہیں، آج بہت سے لوگ جہاد

اورفساد کا فرق نہیں کرتے ہیں، بعض جہاد کو فساد اور فساد کو جہاد کا نام دیتے ہیں، اس لئے معتبر علماء سے رجوع ضروری ہے، بہرحال دشمن سے مقابلہ کیلئے تیاری ضروری ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت عین اللہ کی اطاعت ہے

ارشاد ربانی ہے: مَنۡ یُطِعِ الرَّسُوۡلَ فَقَدۡ اَطَاعَ اللّٰہَ وَمَنۡ تَوَلّٰی فَمَا اَرۡسَلۡنٰکَ عَلَیۡهِمۡ حَفِیۡظًا (سورۂ نساء۸)

ترجمہ: جس نے رسول اللہ ﷺ کی فرمانبرداری کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے اعراض کیا تو ہم نے آپ کو ان پر نگراں بنا کر نہیں بھیجا۔

تشریح: ان آیات مبارکہ میں اللہ پاک نے اپنے محبوب پیغمبر ﷺ کی فرمانبرداری کو عین اپنی فرمانبرداری قرار دیا ہے، کیونکہ آپ ﷺ نے ہی قرآن پاک کو سمجھایا ہے، آپ نے اقوال واعمال ہر طرح سے اس کی تشریح فرمائی ہے، اس مضمون کی آیات واحادیث کا ایک بہت بڑا ذخیرہ ہے جس کو مستقل لکھنے کی ضرورت ہے اور لکھا بھی جا چکا ہے۔

اللہ اور رسول کی اطاعت کا مبارک انجام

ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَمَنۡ یُطِعِ اللّٰہَ وَالرَّسُوۡلَ فَاُوۡلٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمَ اللّٰہُ عَلَیۡهِمۡ مِنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیۡقِیۡنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِیۡنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیۡقًا ذٰلِکَ الۡفَضۡلُ مِنَ اللّٰہِ وَکَفٰی بِاللّٰہِ عَلِیۡمًا (سورۂ نساء آیت ٦٩)۔

ترجمہ: اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرے گا تو وہ ان حضرات کے ساتھ ہوگا جن پر اللہ نے خصوصی انعام فرمایا (یعنی نبیوں، صدیقوں، شہیدوں اور نیکوں کے ساتھ ہوگا) اور یہ بہترین ساتھی ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کا احسان عظیم ہے، اور اللہ پاک کافی جاننے والے ہیں۔

تشریح: ان آیات میں کس قدر عظیم الشان بشارت ہے اس کیلئے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرے کہ اس کا انجام ان لوگوں کے ساتھ ہوگا جن سے بڑھ کر کوئی طبقہ، کوئی جماعت، کوئی گروہ ممکن نہیں، ان سے بہتر رفیق اور ساتھی کوئی نہیں ہوسکتا (**اللهم احشرنا معهم اجمعين آمين يا رب العالمين**)۔

تفسیر ''الوسیط'' میں ہے کہ سُدّیؒ نے فرمایا کہ بہت سے انصاری صحابہ کرامؓ بارگاہ رسالت ﷺ میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ آپ تو جنت میں اعلیٰ مقام پر ہونگے اور ظاہر ہے کہ ہم اس مقام پر نہیں ہونگے لہذا ہمیں جب آپ کی ملاقات کا اشتیاق ہوگا تو کیسے ملاقات ہوگی؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ امام شعبیؒ سے مروی ہے کہ ایک انصاری صحابی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں روتے ہوئے حاضر ہوئے، آپ ﷺ نے پوچھا کیوں رو رہے ہو؟ عرض کیا یارسول اللہ ﷺ اس ذات کی قسم جس کے علاوہ کوئی دوسرا معبود نہیں ہے، آپ ﷺ مجھے میری ذات، میرے اہل وعیال، میرے مال واولاد سے زیادہ محبوب ہیں، میں یہاں دنیا میں جب آپ ﷺ کو یاد کرتا ہوں تو حاضر ہو جاتا ہوں اور اپنی تسلی کر لیتا ہوں مگر آخرت میں تو آپ ﷺ انبیاء کے ساتھ اعلیٰ مقام پر ہونگے اور میں اگر داخل بھی ہوا تو نیچے کہیں ہونگا، آپ ﷺ کی زیارت وملاقات سے محروم رہوں گا تو ایسی جنت میں کیا لطف ومزا ہوگا جس میں محبوب کی زیارت وملاقات نہ ہو، اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی کہ تسلی رکھو وہاں انبیاء سے ملاقات اور ان کی خدمت میں حاضری کا موقع ملے گا اگرچہ وہ بلند مقام پر ہونگے۔

تفسیر البحر ''المحیط'' میں حضرت ثوبانؓ جو آپ ﷺ کے آزاد کردہ غلام ہیں ان کے متعلق اس طرح لکھا ہوا ہے کہ ان کو حضور اقدس ﷺ سے بہت زیادہ محبت تھی ایک دن آئے تو غم کی وجہ سے رنگ بدلا ہوا جسم کمزور، حالت خراب تھی، آپ ﷺ نے معلوم فرمایا تو مذکورہ بات عرض کی جس پر یہ آیت نازل ہوئی، اسی طرح حضرت عبداللہ بن زیدؓ وغیرہ صحابہ کرامؓ سے اس طرح کا سوال مروی ہے، بہر حال مطلب یہ ہے کہ مؤمنین انبیاء صدیقین، صالحین اور بلند درجہ حضرات کی زیارت وملاقات کا شرف حاصل کریں گے، اور بلند درجات والے حضرات نیچے اتریں گے اور اپنے سے کم درجات والے حضرات سے ملاقات کریں گے، تاکہ اللہ پاک کی نعمتوں کی قدر دانی زیادہ ہو، ایک درجہ میں رہنا مراد نہیں ہے۔ امام رازیؒ نے اس سے یہ مستنبط فرمایا کہ ارواح ناقصہ جب دنیاء میں ارواح کاملہ سے تعلق واتصال پیدا کرلیتی ہیں تو مفارقت دنیوی کے بعد بھی یہ اتصال وتعلق قائم اور باقی رہتا ہے (کذا فی البحر المحیط ۲/۲۹۹)۔

پھر نبوت کے بعد والے اوصاف ثلثہ یعنی صدیقیت، شہادت اور صلاح ایک شخص کے اندر بھی جمع ہوسکتے ہیں اور الگ الگ اقسام بھی مراد ہوسکتی ہیں۔ بہر حال صدیق، کثیر الصدق اور ایک قول کے مطابق کثیر الصدقہ کو کہا جاتا ہے، دین میں نبوت ورسالت کے بعد صدیقیت سے بڑھ کر دوسرا مقام نہیں ہے، ہمارے حضرت مولانا شاہ محمد احمدؒ نے فرمایا کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کے بعد نعمائے الٰہیہ کے دسترخوان پر جو گروہ بیٹھا ہے وہ صدیقین کا گروہ ہے ان کا درجہ انبیاء علیہم السلام کے بعد ہے، قرب خداوندی کے شرفِ عظیم سے یہ حضرات حصۂ وافرہ حاصل کرتے ہیں۔ تفسیر ''البحر المحیط'' میں امام راغبؒ کے حوالے سے لکھا ہے کہ اللہ پاک نے اس آیت میں مؤمنین کو چار قسم پر تقسیم فرمایا ہے، اور ان کیلئے چار منازل ودرجات قائم فرمادئے ہیں، پہلا گروہ معشر انبیاء اور رسل کا ہے، الٰہی قوت وطاقت، ان کی تائید وحمایت اور تقویت کرتی ہے اور ان کی مثال ایسی ہے جیسا کہ کسی شئی کو انتہائی قریب سے دیکھنے والا ہوتا ہے، اسی طرح یہ حضرات اللہ تعالیٰ کے جلال وجمال، کمال ونوال اور ان کے انوار وبرکات وغیرہ کا قریب سے مشاہدہ کرنے والے حضرات ہیں، اسی وجہ سے اللہ پاک نے فرمایا ہے: **اتمارونه علیٰ مایریٰ** کیا تم شک کرتے ہو اس کا جس کو انہوں نے دیکھا ہے۔

دوسرا گروہ صدیقین کا ہے، اور یہ حضرات معرفت الٰہیہ اور قرب خداوندی میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے فضل وکرم سے انبیاء کے قریب مگر ان کے بعد ہیں اور ان کی مثال ایسی ہے جیسا کہ کوئی کچھ فاصلہ سے کوئی چیز دیکھتا ہے، یہ حضرات صدیقین کی شان ہے کہ وہ دل کی آنکھ سے اور ایمان کی آنکھ سے مشاہدۂ باری عزّ اسمہٗ میں مستغرق رہتے ہیں۔

تیسرا گروہ شہداء حضرات کا ہے۔ وہ دلائل وبراہین سے اشیاء کی معرفت حاصل کرتے ہیں ان کی مثال ایسی ہے جیسا کہ کوئی آئینہ میں قریب کی چیز کا مشاہدہ کرتا ہے، جیسا کہ بعض حضرات سے منقول ہے کہ فرمایا کہ میں گویا عرش الٰہی کا مشاہدہ کرتا ہوں اور نبی کریم ﷺ کے فرمان: **اعبدالله کانک تراه** میں یہی مراد ہے کہ اللہ پاک کی عبادت اس طرح کر گویا کہ تو اس کو دیکھ رہا ہے۔

چوتھا طبقہ اور گروہ صالحین کا ہے، یہ حضرات راسخین فی العلم کی تقلید واتباع میں مقاصد حسنہ تک پہنچ جاتے ہیں، ان کی مثال ایسی ہے جیسا کہ کوئی آئینہ میں دور کی چیز کا

مشاہدہ کرتا ہے،عکرمہؒ نے فرمایا: نبیوں سے مراد حضرت محمد ﷺ اور صدیقین سے مراد حضرت ابوبکر صدیقؓ اور شہداء سے مراد حضرت عمرؓ وحضرت عثمانؓ وحضرت علیؓ ہیں، اور صالحین سے مراد امت کے نیک حضرات ہیں، یہ بطور مثال ہے (کذا فی البحر المحیط ۳۰۰/۲)۔

ایمان والوں کو دشمن سے مقابلہ کیلئے تیار رہنے کا حکم

ارشاد باری تعالیٰ ہے: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِ انْفِرُوْا جَمِیْعًا۔

ترجمہ: اے ایمان والو لے لو ہتھیار پھر نکلو علیٰحدہ علیٰحدہ یا نکلو سب ایک ساتھ۔ (سورۂ نساء)۔

تشریح: ان آیات میں رب العزت والجلال نے مسلمانوں کو دشمن کے مقابلے کیلئے تیاری کرنے اور تیار رہنے کا حکم فرمایا ہے، معلوم نہیں کس وقت دشمن حملہ کردے، لہذا اس سے بے خبر نہ رہو، دشمن سے مقابلہ کیلئے کبھی متفرق طور پر جماعتیں بنا کر اور کبھی ساری فوج ایک ساتھ ملکر چلنا پڑتا ہے، یہ موقع اور محل کے اعتبار سے ہوتا ہے، کیونکہ جہاد فرض عین نہیں ہے، ہاں جبکہ نفیرِ عام کا اعلان شاہ اسلام کی طرف سے ہوجائے، اس وقت ہر ایک پر ضروری ہوجاتا ہے، نفیرِ عام کے بغیر حالات میں جہاد فرض کفایہ ہے، جہاد سے اسلام کو قوت وطاقت ملتی ہے، آپس میں اتحاد واتفاق قائم رہتا ہے، دشمن کے حوصلے پست ہوجاتے ہیں، خدا کی زمین خدا کے باغیوں سے پاک ہوجاتی ہے، یہ ایک قسم کا آپریشن ہے جس سے مادۂ فاسد کا خروج ہوتا ہے، مگر جہاد کیلئے اصول وضوابط بھی ہیں، حدود وقیود بھی ہیں، ان کا لحاظ کئے بغیر جہاد، جہاد نہیں بلکہ فساد بن جاتا ہے، جس سے اللہ پاک کا قہر اور ناراضگی مسلّط ہوسکتا ہے، کیونکہ اللہ پاک کو فساد پسند نہیں ہے، کیونکہ ارشاد باری ہے: ان اللہ لا یحب الفساد اور کہیں پر تو یوں فرمایا ان اللہ لا یحب المفسدین الآیہ، اللہ پاک فساد اور فساد کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے ہیں، آج بہت سے لوگ جہاد اور فساد کا فرق نہیں کرتے ہیں، بعض جہاد کو فساد اور فساد کو جہاد کا نام دیتے ہیں، اس لئے معتبر علماء سے رجوع ضروری ہے، بہر حال دشمن سے مقابلہ کیلئے تیاری ضروری ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت عین اللہ کی اطاعت ہے

ارشاد ربانی ہے: مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ عَلَیْهِمْ حَفِیْظًا (سورۂ نساء ۸)

ترجمہ: جس نے رسول اللہ ﷺ کی فرمانبرداری کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے اعراض کیا تو ہم نے آپ کو ان پر نگراں بنا کر نہیں بھیجا۔

تشریح: ان آیات مبارکہ میں اللہ پاک نے اپنے محبوب پیغمبر ﷺ کی فرمانبرداری کو عین اپنی فرمانبرداری قرار دیا ہے، کیونکہ آپ ﷺ نے ہی قرآن پاک کو سمجھایا ہے، آپ نے اقوال واعمال ہر طرح سے اس کی تشریح فرمائی ہے، اس مضمون کی آیات واحادیث کا ایک بہت بڑا ذخیرہ ہے جس کو مستقل لکھنے کی ضرورت ہے اور لکھا بھی جاچکا ہے۔

ایمان والوں کو تحقیق سے کام لینے کا حکم

ارشاد خداوندی ہے: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَتَبَیَّنُوْا وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰۤى اِلَیْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِیْرَةٌ كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ

عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوْا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا (سورۂ نساء)۔

ترجمہ: اے ایمان والو! جب تم اللہ کے راستے میں سفر کرو تو تحقیق کر لیا کرو، مت کہو تم اس شخص کو جو تم کو سلام کرے کہ تو مسلمان نہیں ہے تم چاہتے ہو دنیا کی زندگی کا سامان، حالانکہ اللہ پاک کے پاس بہت غنیمتیں ہیں تم بھی پہلے ایسے ہی تھے اللہ پاک نے تم پر احسان فرمایا، لہذا تم تحقیق سے کام لیا کرو، بیشک اللہ پاک تمہارے اعمال کی خوب خبر رکھنے والے ہیں۔

تشریح: ان آیات کا پس منظر یہ ہے کہ ایک موقع پر حضور ﷺ نے ایک فوجی لشکر کو جہاد کیلئے بھیجا، جس قوم پر ان کو بھیجا گیا اس قوم میں ایک شخص مسلمان تھا جو اپنا مال واسباب اور مویشی وغیرہ لے کر سب سے علیحدہ پہاڑ میں چلا گیا تھا، اس نے مسلمانوں کو آتا دیکھ کر کہا السلام علیکم **لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ** ﷺ، حضرت اسامہ بن زیدؓ جو اس فوجی لشکر میں تھے انہوں نے یہ سوچ کر اس کو قتل کر دیا کہ اس نے محض جان بچانے اور مال بچانے کیلئے سلام کیا اور اسلام کا سہارا لیا ہے، اس وقت یہ آیت نازل ہوئی، ان آیات میں زجر وتنبیہ فرمائی گئی ہے کہ سفر جہاد میں بہت تحقیق سے کام لینا چاہئے، اس طرح کسی جان کا ہلاک کر دینا اللہ پاک کو سخت ناپسند ہے، تم بھی پہلے ایسی ہی گمراہی وضلالت میں تھے، یہ تو مولیٰ کریم کا فضل واحسان ہوا کہ انہوں نے تم کو ہدایت، اسلام وایمان سے سرفراز فرمایا، اس کو غنیمت سمجھو، اللہ کا احسان جانو، مال ومتاع کے لالچ میں ایسا کوئی قدم نہ اٹھایا کرو جو اللہ کی ناراضگی کا باعث بن جائے، ان آیات کے نزول کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اسامہؓ کیلئے دعاء مغفرت فرمائی، اور ان کو غلام آزاد کرنے کا حکم فرمایا بطور کفارہ کے (کذا فی الوسیط، ج ۲/۱۰۱)۔

ایمان والوں پر خاص اوقات میں نماز فرض ہے

ارشاد باری تعالیٰ ہے: **اِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتَابًا مَّوْقُوْتًا** ۔

ترجمہ: بیشک نماز مؤمنوں پر مقررہ اوقات میں فرض ہے۔

تشریح: آیت مبارکہ میں اللہ پاک نے نماز کے متعلق فرمایا کہ وہ خاص خاص وقت میں فرض ہے، ٹھیک اسی وقت پر اس کو ادا کرنا ضروری ہے، بلا عذر شرعی تقدیم وتاخیر ناجائز وممنوع ہے، رسول کریم ﷺ نے فرمایا جو بلا عذر شرعی نماز کو غلط وقت پر ادا کرے گا اس نے گناہ کبیرہ کا ارتکاب کیا (رواہ الترمذی) صرف دو موقعوں پر حج کے دوران، عرفات میں جمع تقدیم اور مزدلفہ میں جمع تاخیر خاص حکمت کے تحت مامور بہ ہے، حضرت امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ ان آیات میں اجمالی طور پر نماز کی فرضیت اور اوقاتِ متعینہ کا بیان ہے اور تفصیلِ اوقات دوسری جگہ وارد ہوئی ہیں۔

ایمان والوں کیلئے پھر ایک بشارت

ارشاد باری تعالیٰ ہے: **وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا وَّمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا** (سورۂ نساء)۔

ترجمہ: اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کئے عنقریب ہم ان کو ایسے باغات میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں چل رہی ہوں گی وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور اللہ کا وعدہ سچا ہے اور اللہ پاک سے زیادہ سچا کون ہوسکتا ہے، مزید ارشاد باری

تعالیٰ ہے:

وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا (سورۂ نساء)۔

ترجمہ: اور جو بھی مرد عورت نیک کاموں کو انجام دیں ایمان کی حالت میں پس وہ جنت میں داخل ہونگے اور ان کے ساتھ ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا۔

سب سے عمدہ کون ہے؟

ارشاد باری تعالیٰ ہے: **وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا وَّاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا (سوۂ نساء)۔**

ترجمہ: اور اس سے بہتر کس کا دین ہوسکتا ہے جس نے اپنی ذات کو اللہ کے احکام کے تابع کیا دراں حالیکہ وہ مخلص ہے، اور اس نے ابراہیم علیہ السلام کے دین کی پیروی کی جو خالص اللہ کو ماننے والے تھے، اور اللہ پاک نے بھی ابراہیمؑ کو اپنا دوست بنالیا تھا۔

تشریح: ان آیات مبارکہ میں اس بات کی وضاحت ہے کہ سب سے عمدہ انسان وہ ہے جس نے اپنے آپ کو اللہ پاک کے احکام کے تابع کردیا، اخلاص وتوحید کے ساتھ اور ابراہیم علیہ السلام کے دین کی اتباع کرے جو موحد کامل اور مخلص کامل تھے، اور اللہ کے سچے دوست تھے، ان کی ملت ہی ملتِ اسلامیہ ہے، ان کا دین ہی دین محمدی ﷺ ہے، لہذا ان کی اتباع وتقلید عین اسلام ہے اور اسلام عین دینِ ابراہیمؑ ہے، بلکہ اسلام میں دین ابراہیمی پر اضافہ ہے، الوسیط میں لکھتے ہیں:

ملة ابراهيم داخلة فى ملتنا وفى ملتنا زيادة على ملة ابراهيم فمن اتبع الاسلام فقد اتبع ملة ابراهيم ۔ اور خلیل وہ دوست ہے جس کی دوستی میں خلل نہ ہو، ابراہیمؑ کو اللہ پاک سے کامل محبت تھی اور اللہ پاک کو بھی ان سے کامل محبت تھی اس لئے ان کو خلیل اللہ سے پکارا جاتا ہے۔

ایمان والو! انصاف سے گواہی دو

ارشاد باری تعالیٰ ہے: **يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا (سورۂ نساء)۔**

ترجمہ: اے ایمان والو قائم رہو انصاف پر گواہی دو اللہ کے لئے اگرچہ تمہارا نقصان ہو یا ماں باپ کا یا قرابت والوں کا اگر کوئی مالدار ہے یا محتاج ہے تو اللہ ان کا خیر خواہ تم سے زیادہ ہے، لہذا تم پیروی نہ کرو دل کی خواہش کی انصاف کرنے میں اور اگر تم زبان ملوگے یا اعراض کرکے بچنے کی کوشش کروگے تو اللہ تعالیٰ تمہارے سب کاموں سے واقف اور زیادہ خبر رکھنے والا ہے۔

تشریح: ان آیات مبارکہ میں گواہی کے معاملہ میں انصاف کا حکم فرمایا ہے کہ چاہے اس کا نقصان تمہاری ذات پر پڑے یا والدین یا دوسرے رشتہ داروں پر پڑے، مگر تم اللہ کی خاطر قیامت کے دن میں حاضری کا خیال کرو اور نہایت انصاف سے کام لو، مالدار کی مالداری کی وجہ سے اور غریب وفقیر کی غربت ولاچاری کی وجہ سے طرف داری مت کرو، اور اداء شہادت میں خواہش نفس کی اتباع نہ کرو، اور

زبان مت موڑو، یعنی شہادت میں تبدیلی نہ کرو اور نہ اس کا کتمان کرو۔

امام سدیؒ سے مروی ہے زبان موڑنے سے مراد شہادت کو ٹالنا ہے اور اعراض سے مراد شہادت سے انکار کرنا ہے، اور انہوں نے یہ بھی فرمایا ہے کہ یہ آیت اس واقعہ سے متعلق ہے جس میں ایک مالدار اور ایک غریب کا جھگڑا تھا، اور بعض نے اس کو بنوابیرق کے واقعہ کے متعلق قرار دیا ہے کہ ان لوگوں نے چوری کرلی تھی اور دوسروں پر الزام لگا دیا تھا، اور بعض خاندان حقیقت کے جاننے کے باوجود ان کا ساتھ دے رہے تھے، حالانکہ جس پر الزام لگایا گیا تھا وہ سچا تھا اور چوری سے بری تھا (کذا فی البحر المحیط، ج ۲/ ۳۸۴)۔

ایمان والو! مکمل ایمان اختیار کرو

ارشاد باری تعالیٰ ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا اٰمِنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِي نَزَّلَ عَلٰى رَسُولِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيدًا (سورۂ نساء)۔

ترجمہ: اے ایمان والو! یقین لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول ﷺ پر اور اس کتاب پر جو نازل کی گئی ہے اللہ کے رسول پر اور اس کتاب پر جو پہلے نازل کی گئی ہے اور جو اللہ پاک اور فرشتوں اور کتابوں اور اس کے رسولوں اور قیامت کے دن کا انکار کرے گا پس تحقیق کہ وہ دور کی گمراہی میں جا پڑا ہے۔

تشریح: علامہ واحدی نیشاپوریؒ نے ''الوسیط'' میں فرمایا ہے: کہ یہ آیت کریمہ بقول حضرت ابن عباسؓ اہل کتاب ایمان والوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے، انہوں نے کہا تھا یا رسول اللہ ﷺ ہم آپ پر ایمان لائے اور کتب سابقہ میں توریت پر اور حضرت موسیٰؑ پر اور باقی رسولوں اور کتابوں کو ہم نہیں مانتے، لہٰذا ان کی تردید کی گئی ہے، ایسا کرنا غلط ہے، تمام کتب سابقہ منزّل من اللہ کو اور تمام رسولوں کو برحق ماننا ضروری ہے تب ایمان مکمل ہوگا۔

امام ضحاکؒ سے مروی ہے کہ اس آیت کریمہ میں خطاب یہود و نصاریٰ کو ہے، ان کو کہا گیا ہے کہ تم لوگ حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ، توریت، انجیل کو مانتے ہو تو تم کو محمد ﷺ اور قرآن پاک پر بھی ایمان لانا ضروری ہے تب تمہارا ایمان صحیح اور معتبر تسلیم ہوگا، اور مفسرین کرام کی ایک جماعت نے فرمایا کہ اس آیت کریمہ میں اس امت کے ایمان والوں کو خطاب ہے، مطلب یہ ہے کہ ایمان پر قائم ودائم رہو، مضبوط و مستحکم یقین اختیار کرو، کمزور ایمان سے کام نہیں چلے گا، حضرت حسنؒ کے اسی قول کو راجح قرار دیا گیا ہے (کذا فی البحر المحیط، ج ۲/ ص ۳۸۶)۔

امام مجاہدؒ نے فرمایا کہ خطاب منافقین کو تھا کہ تم صرف ظاہر میں زبان سے ایمان لاتے ہو، لہٰذا دل سے بھی ایمان لاؤ تب ایمان مکمل ہوگا، خالی ظاہری ایمان نجات کا ذریعہ نہیں بنے گا اور جو اللہ پاک اور اس کے فرشتوں اور کتابوں اور اس کے رسولوں کا انکار کرے گا وہ گمراہ ہے۔

نماز میں سستی منافق کی شان اور علامت ہے

ارشاد باری ہے: اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا

(سورۂ نساء)۔

ترجمہ: بیشک منافق لوگ دھوکہ دینا چاہتے ہیں اللہ پاک کو اور اللہ پاک انکو اسکی سزا دیگا (دھوکہ دیکر) اور جب یہ لوگ نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو کھڑے ہوتے ہیں سست ہوکر لوگوں کو دکھانے کے لئے یہ لوگ اللہ پاک کو بہت کم یاد کرتے ہیں۔

تشریح: یعنی منافقین اپنے خیال میں اللہ اور ان کے رسول ﷺ کو دھوکہ دیتے تھے کہ ظاہر میں ایمان کا دعویٰ کرتے تھے اور باطن میں کفر چھپاتے تھے، حالانکہ اللہ تو علیم وخبیر ہیں، انہوں نے اپنے پیغمبر کو بھی آگاہ اور مطلع کردیا تھا منافقین کے باطنی حالات سے، قیامت میں ان کو ان کے اعمال کا بدلہ ملے گا انکو بھی ایک نور دیا جائے گا جیسا کہ ایمان والوں کو نور دیا جائے گا اور جب یہ لوگ پل صراط پر چلیں گے تو ان کا نور بجھا دیا جائے گا اور یہ لوگ سخت تاریکی کے عالم میں حیران وپریشان کھڑے رہیں گے، بعض روایات میں آتا ہے کہ لوگوں کا ایک گروہ جنت کی طرف لے جائے گا جب وہ قریب ہو جائیں گے اور وہاں نعمتیں اور لذتیں دیکھیں گے اور داخل ہونے کے قریب ہونگے تو اس وقت ان سے کہا جائے گا واپس ہو جاؤ اس وقت وہ حسرت وافسوس کرتے ہوئے واپس ہو جائیں گے۔

منافق لوگ محض ریاکاری کی وجہ سے نماز پڑھتے تھے اللہ پاک کی رضامندی ان کے پیش نظر نہیں تھی، اور یہ بہت کم اللہ کو یاد کرتے تھے، آج کل عام مسلمانوں میں نماز میں سستی اور ذکر میں کمی پائی جارہی ہے حالانکہ یہ منافق کی صفت ہے، جیسا کہ معلوم ہو گیا، لہذا اس سے بچنا ضروری ہے۔

نفاق سے توبہ کرنے والوں کا انجام خیر

ارشاد باری تعالیٰ ہے: اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِى الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَاَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَسَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا ۝ (سورۂ نساء)۔

ترجمہ: بیشک منافق لوگ سب سے نیچے طبقے میں ہوں گے، اور ان کو کوئی مددگار نہیں ملے گا، ہاں مگر جنہوں نے نفاق سے توبہ کرلی تھی اور اپنے اعمال کو درست کرلیا تھا اور اللہ پاک کو مضبوط پکڑ لیا تھا اور اپنے دین کو خالص اللہ کے لئے کرلیا تھا، یہ لوگ ایمان والوں کے ساتھ ہوں گے اور عنقریب اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو بڑا اجر وثواب عنایت فرمائیں گے، اللہ پاک تم کو عذاب دیکر کیا کریں گے اگر تم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو اور ان پر صحیح صحیح ایمان لاؤ، اللہ پاک قدر دان ہیں اور سب کچھ جاننے والے ہیں۔

تشریح: گذشتہ آیات میں منافق لوگوں کی حرکتوں کو بتایا گیا تھا، اب ان آیات میں منافق لوگوں کا انجام بتایا گیا ہے، کہ وہ لوگ جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں ہوں گے، حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ہے کہ جہنم والوں کے لئے لفظ "درک" ایسا ہی ہے جیسا کہ جنت والوں کے لئے درجہ کا لفظ ہے اور جس طرح درجات بعض بعض کے اوپر نیچے ہیں اسی طرح "درکات"، بعض بعض کے اوپر نیچے ہیں، جہنم کے سات درکات ہیں، یعنی سات طبقات ہیں، اول کا نام "جهنم" ہے، دوسرے کا نام "لظی" ہے، تیسرا "حطمه" ہے، چوتھا

"سعیر" ہے، پانچواں "سقر" ہے، چھٹا "جحیم" ہے، ساتواں "ھاویہ" ہے اور لفظ "نار" سب پر بولا جاتا ہے، منافق لوگوں میں سے جو توبہ کر کے اپنے اعمال کو درست کرلیں گے، اور اللہ کے ساتھ صحیح تعلق قائم کرلیں گے، اور اخلاص اختیار کرلیں گے دین میں یعنی اطاعت وعبادت میں ان کو بھی اللہ پاک مؤمنین کاملین کے ساتھ محشور فرمائیں گے اور ان کے لئے بڑا اجر وثواب ہوگا، اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ اللہ پاک کو عذاب دینے کا کوئی شوق نہیں ہے، اگر تم لوگ شکر گذاری سے کام لوگے توحید کو اختیار کروگے، بقول حضرت عبداللہ ابن عباسؓ اس جگہ شکر سے مراد توحید ہے۔

اور علامہ زمخشریؒ نے فرمایا ہے کہ اس آیت کریمہ میں باری تعالیٰ نے شکر کو ایمان پر مقدم فرمایا ہے، کیونکہ عاقل آدمی جب سب سے پہلے اپنے اوپر عظیم نعمتوں کو دیکھے گا اور یہ کہ باری تعالیٰ نے منافع عطا فرمائے ہیں تو مبہم اور مجمل شکر گذاری کی طرف متوجہ ہوگا اور یہ شکر اس کو ایمان کی طرف لے آئے گا، پھر تفصیلی شکر کی توفیق حاصل ہوگی، ایمان سے پہلے اجمالی شکر تھا بعد میں تفصیلی شکر کرے گا۔

ابن عطیہؒ نے فرمایا ہے کہ شکر اس وقت تک نہیں پایا جاسکتا ہے جب تک کہ ایمان نہ ہو، اور بعض نے کہا کہ یہاں تقدیم وتاخیر ہے، پہلے "آمنتم" ہے پھر "شکرتم" ہے، اگرچہ قراۃ میں اس کا عکس ہے، بہر حال ایمان اور شکر کی برکت سے عذاب دفع ہوجاتا ہے، لہذا شکر اختیار کرنا ضروری ہے، جب بندہ شکر ادا کرے گا تو اللہ پاک ان نعمتوں کو قائم ودائم رکھیں گے، بلکہ اضافہ فرمادیں گے، اللہ پاک کے شکر کے معنی ہیں "ادامۃ النعم علی الشاکر" شکر کرنے والے پر نعمتوں کو باقی وقائم رکھنا یا ثواب دینا مراد ہے اور شکر کی کئی قسمیں ہیں۔

(۱) اعضاء وجوارح سے اللہ پاک کی عبادت واطاعت کرنا ہے۔

(۲) قلب کی گہرائی سے اللہ پاک کی عظمت وکبریائی کا اقرار واعتراف کرنا ہے اور ان کی حمد وثنا کا استحضار ہے، پھر شکر مالی بھی ہوتا ہے کہ مال راہ خدا میں خرچ کیا جائے، اور شکر بدنی بھی ہوتا ہے کہ بدن عبادت الٰہی میں استعمال کرے، اور پھر شکر لسانی ہوتا ہے کہ زبان یاد باری میں تر رہے، اللہ پاک ہم سب کو کما حقہ شکر ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائیں آمین۔

تمام رسولوں پر ایمان اور اس کا انجام خیر

ارشاد باری ہے: وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَلَمْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا (سورۂ نساء)۔

ترجمہ: وہ لوگ جو اللہ پر ایمان لائے اور تمام رسولوں پر ایمان لائے اور ان میں سے کسی کے درمیان تفریق نہیں کی تو ایسوں کو اللہ پاک ان کا اجر وثواب عطا فرمائیں گے اور اللہ پاک معاف کرنے والے اور رحم کرنے والے ہیں۔

تشریح: ان آیات میں اللہ پاک نے ان لوگوں کے لئے اجر وثواب کا وعدہ فرمایا جنہوں نے بلاتفریق رسولوں کو مانا جیسے مسلمان ہیں الحمدللہ سب پیغمبروں پر ایمان رکھتے ہیں، ایسے حضرات اس کا مصداق ہیں (کذا فی البحر المحیط ص۴۰۱)۔

ایمان والو! عہد کو پورا کرو

ارشاد باری تعالیٰ ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ (سورۂ مائدہ) ترجمہ:

اے ایمان والوعہدوں کو پورا کرو۔

تشریح: تفسیر ''الوسیط'' میں حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ عقود سے مراد عہود ہیں، یعنی عہد و پیمان پورے کرو، مطلب یہ ہے کہ اللہ پاک نے جن چیزوں کو حلال فرمایا ان کو حلال رکھواور جن چیزوں کو حرام قرار دیا ان کو حرام جانو، جن چیزوں کو اللہ پاک نے فرض قرار دیا ہے ان کو فرض سمجھواور جن چیزوں سے اللہ پاک نے منع فرمایا ان سے رکو، یعنی پوری شریعت اسلامیہ پر عمل کرو، امام ضحاکؒ سے بھی یہی تفسیر منقول ہے کہ جن باتوں کا قرآن کریم میں حکم فرمایا ہے ان کو پورا کرو، ساتھ ساتھ ان عہد و پیمان و معاملات کو بھی پورا کرو جو تمہارے درمیان اور کسی دوسرے انسان کے درمیان ہوں یا کسی دوسری قوم کے درمیان ہوں، حتیٰ کہ مشرکین کے ساتھ جو وعدے کئے گئے ہیں بشرطیکہ وہ معاملات خلاف شرع نہ ہوں تو ان کو پورا کرنا بھی ضروری ہے، اسلام اسی کی تعلیم دیتا ہے، علامہ شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایمان شرعی دو چیزوں کا نام (۱) معرفت الٰہی، تسلیم وانقیاد، اس کے تحت تمام ارشادات ربانی اور فرامین رسالت کو ماننا ضروری ہوجاتا ہے (۲) ان معاملات کا جو ایک دوسرے کے ساتھ یا دوسری قوم کے ساتھ ہوتے ہیں ان کا پورا کرنا بھی ضروری ہوتا ہے، صلح و جنگ کے معاملات وغیرہ سب اس میں شامل ہیں، یہ سورۂ مائدہ کی شروع کی آیت ہے، اس سورت کی فضیلت کے بارے میں علامہ واحدیؒ لکھتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا جو کوئی شخص سورۂ مائدہ کی تلاوت کرے گا اس کو تمام یہودیوں وعیسائیوں کی تعداد کے برابر دس حصہ زیادہ ثواب حاصل ہوگا اور دس برائیاں مٹائی جائیں گی اور اس کے دس درجات بلند ہونگے (کذافی الوسیط، ج ۲ رص ۱۴۷)۔

نماز قائم کرنے والوں اور زکوٰۃ دینے والوں کی تعریف

ارشاد باری ہے: لٰكِنِ الرَّاسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَالْمُؤْمِنُوْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَا اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَا اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ وَالْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اُولٰٓئِكَ سَنُؤْتِيْهِمْ اَجْرًا عَظِيْمًا (سورنساء)۔

ترجمہ: لیکن وہ لوگ جو علم میں راسخ ہیں ان میں سے اور ایمان والے جو ایمان لائے ہیں ان چیزوں پر جو اتاری گئی ہیں آپ کی طرف (قرآن کریم) اور جو کتابیں اتاری گئی ہیں آپ سے پہلے اور وہ لوگ جو نماز قائم کرتے ہیں اور جو زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور وہ لوگ ایمان لائے ہیں اللہ پاک پر اور قیامت کے دن پر ایسے لوگوں کو اللہ پاک عنقریب اجر عظیم عطا فرمائیں گے۔

تشریح: ان آیات میں اللہ پاک نے ان ایمان والے حضرات کی تعریف فرمائی ہے جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، اور قیامت کے دن پر ایمان لاتے ہیں اللہ سبحانہ وتعالیٰ ان کو اجر عظیم عطا فرمائیں گے، لہٰذا ایمان والو! نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا اہتمام کرو، اگر اللہ پاک کے یہاں اجر عظیم کے مستحق بننا چاہتے ہو، اہل کتاب میں سے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور چند حضرات تھے جو یہودیت کے بعد اسلام میں داخل ہوگئے تھے اور آپ ﷺ کے صحابہ میں شمار ہوئے ہیں، آیت میں ''راسخون فی العلم'' سے وہی لوگ مراد ہیں (کذافی الوسیط، ج:۱رص:۱۳۹)۔

ارشادربانی ہے: یا ایھا لناس قد جاء کم الرسول بالحق من ربکم فاٰمنوا خیرا لکم وان تکفروا فان للہ مافی السمٰوٰت والارض وکان اللہ علیما حکیما (سورۂ نساء)۔

ترجمہ: اے انسانو! تحقیق تمہارے پاس ہمارے آخری رسول آچکے ہیں حق کا پیغام لے کرتمہارے پروردگار کی طرف سے لہذا تم ایمان لاؤ یہ تمہارے لئے خیر وبھلائی کی بات ہے اور اگر کفر وانکار کرو گے تو جان لو کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے وہ سب اللہ پاک کا ہے،اوراللہ پاک زیادہ جاننے والے اور حکمت والے ہیں۔

تشریح: ان آیات میں رب السموات والارض نے تمام انسانوں کو ایمان کی دعوت دی ہے کہ ہمارے آخری پیغمبر ورسول حضرت محمد ﷺ پر ایمان لاؤ جن کے بعد کوئی نبی آنے والانہیں ہے،ان پر ایمان لانا اوران کی اتباع کرنا تمہارے لئے بہتر ہے دنیا وآخرت میں سعادت وبرکت کا ذریعہ ہے، اوراگر تم کفر وانکار پر ہی رہو گے تو اس سے اللہ پاک کا کچھ بھی نہیں بگڑتا ہے، کیوں کہ آسمان وزمین کی ساری اشیاء ان کی ملکیت اور قدرت کے تحت ہیں وہ ان کی عبادت کرتی ہیں لہذا تمہارے عبادت نہ کرنے سے ان کا کوئی نقصان نہیں ہے، بلکہ تمہارا اپنا ہی نقصان وخسارہ ہے۔اس کے بعد اہل کتاب کو دین میں غلو کرنے سے منع فرماتے ہیں اور تثلیث کے عقیدے سے باز رہنے کا حکم فرماتے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: یا اھل الکتاب لا تغلوا فی دینکم ولا تقولوا علی اللہ الا الحق انما المسیح عیسی ابن مریم رسول اللہ وکلمتہ

القٰھا الی مریم وروح منہ فاٰمنوا باللہ ورسلہ ولا تقولوا ثلثۃ انتھوا خیرا لکم انما اللّٰہ الٰہ واحد سبحنہ ان یکون لہ ولد لہ ما فی السمٰوات وما فی الارض وکفی باللہ وکیلا (سورہ نساء)۔

ترجمہ: اے اہل کتاب! مبالغہ مت کرو اپنے دین میں اور مت کہو اللہ پاک کی شان میں مگر سچی بات، بیشک مسیح جو مریم علیہا السلام کے بیٹے ہیں وہ اللہ کے رسول اوران کا کلام ہیں، جس کو ڈالا تھا مریمؑ کی طرف اور روح ہیں اس کے یہاں کی، لہذا تم اللہ پاک پر اوراس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور مت کہو کہ تین خدا ہیں اس بات کو چھوڑ دو یہ تمہارے لئے بہتر ہے، بے شک اللہ پاک اکیلا معبود ہے، ان کی ذات پاک ہے اس بات سے کہ ان کی اولاد ہو جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ سب انہیں کا ہے اور کافی ہے اللہ کارساز ہونے کے اعتبار سے۔

تشریح: ان آیات میں اہلِ کتاب بطور خاص عیسائیوں کو خطاب فرمایا گیا ہے کہ تم لوگ اپنے نبیؑ کی تعریف میں غلو سے کام لیتے ہو اور حد سے نکل جاتے ہو اور خدا کا بیٹا کہنے لگتے ہو، اللہ پاک فرماتے ہیں ایسا نہ کرو جس سے اعتقاد رکھتے ہو اس کی تعریف میں مبالغہ کرتے ہو اور وہ بے حد تجاوز کرنے والا کام ہے، مبالغہ اور زیادتی کرنا غلط بات ہے، علامہ واحدیؒ ''الوسیط'' میں لکھتے ہیں کہ نصارائے نجران نے حضرت عیسیٰؑ کو اللہ قرار دیا تھا اور یہ ''یعقوبیہ'' کہلاتے تھے اور دوسرا فرقہ ''نسطوریہ'' یہ ان کو ابن اللہ کہتا تھا، اور تیسرا فرقہ ''مرقوسیہ'' یہ ان کو ''ثالث ثلثہ'' ان تین کا ایک خدا قرار دیا کرتا تھا اور چوتھا فرقہ ''ملکانیہ'' وہ کہتا تھا کہ عیسیٰؑ اور رب دونوں شریک ہیں (العیاذ باللہ)۔

ان آیات میں ان تمام فرقوں کی تردید فرمائی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ عیسیٰؑ تو مریم کے بیٹے تھے اللہ کے رسول اور بندہ تھے، اللہ پاک کی عبادت کرتے تھے انہوں نے کبھی اپنی عبادت نہیں کرائی اور وہ چونکہ کلمہ ''کُن'' سے پیدا ہوئے تھے اس لئے ان کو اللہ کا کلمہ کہا جا سکتا ہے، بطور معجزہ مریم صدیقہ علیہا السلام کے بطن میں جبرئیلؑ کے پھونک مارنے سے ان کو حمل قرار پایا تھا، وہ اللہ کی روح تھے، یہ مطلب نہیں کہ اللہ پاک کی روح ان میں حلول کر گئی تھی بلکہ یہ اضافت اور نسبت ایسی ہے جیسا کہ کعبہ کو ''بیت اللہ'' اور حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو ''ناقۃ اللہ'' کہا جاتا ہے، یوں تو ساری ارواح اللہ پاک ہی کی طرف سے ہیں مگر تخلیق و وجود کے عام ضابطہ کے خلاف بغیر باپ کے ان کی تخلیق ہوئی تھی اس لئے ان کو بطور خاص ''روح اللہ'' کہا جاتا ہے۔ ''البحر المحیط'' میں ہے کہ حضرت مقاتلؒ نے فرمایا یہ آیات نجران کے عیسائیوں کے بارے میں نازل ہوئی ہیں، مگر جمہور علماء نے فرمایا کہ عام عیسائیوں کے بارے میں نازل ہوئی ہیں کہ وہ لوگ باپ بیٹے اور جبرئیل تین خدا کہا کرتے تھے (العیاذ باللہ)۔

اور کہا گیا کہ اس آیت میں یہود و نصاریٰ دونوں کو خطاب ہے، یہودی لوگ حضرت عیسیٰؑ کی شان میں گندے الفاظ بولتے تھے اور عیسائی ان کو معبود اور خدا قرار دیتے تھے تو دونوں فرقوں نے غلو اور حد سے تجاوز کیا، اہلِ اسلام نے ان کو رسول اللہ اور عبداللہ قرار دیا ہے، آج بھی مسلمان جتنا ان کا احترام کرتے ہیں جو لوگ ان کی طرف منسوب ہیں وہ بھی انکا اتنا صحیح احترام نہیں کرتے ہیں۔

جس طرح یہود و عیسائی لوگ غلو سے کام لیا کرتے تھے آج بھی ان کے طرز پر

مسلمانوں کا ایک طبقہ چل رہا ہے، بعضے تو انبیاء کی عصمت وعفت کا انکار کرتے ہیں اور بعضے ان کو عالم الغیب والشہادۃ قرار دیتے ہیں، یہ دونوں عقیدے میں افراط و تفریط کی باتیں ہیں، اکابر اہل سنت والجماعت کے نزدیک انبیاء علیہم السلام معصوم ہیں عصمت خداوندی اور حمایت ربانی ان کے ساتھ خاص ہے، اور وہ عالم الغیب نہیں ہیں، عالم الغیب والشہادۃ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ذات پاک ہے۔

ایمان والوں کیلئے مزید فضل کا وعدہ

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ وَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْتَنْكَفُوْا وَاسْتَكْبَرُوْا فَيُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا (النساء رکوع ۴، آیت ۱۷۲)۔ ترجمہ: پھر جو لوگ ایمان لائے اور عمل کئے انہوں نے اچھے، تو باری تعالیٰ ان کو پورا اجر وثواب دیں گے (باری تعالی) اور زیادہ فضل و کرم سے نوازیں گے اور جنہوں نے عار اور شرم کی اور تکبر کیا سو ان کو عذاب دیا جائے گا دردناک عذاب۔

تشریح: ان آیات میں عبادت الٰہی سے اعراض اور تکبر کرنے اور حضرات انبیاء علیہم السلام کی دعوت سے دور بھاگنے والوں کے لئے دردناک عذاب کی وعید وارد ہوئی ہے (خدا کی پناہ)۔

قرآن کریم اللہ پاک کا نور ہے

ارشاد باری ہے: يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَآ

اِلَیۡکُمۡ نُوۡرًا مُّبِیۡناً فَاَمَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا بِاللّٰہِ وَاعۡتَصَمُوۡا بِہٖ فَسَیُدۡخِلُھُمۡ فِیۡ رَحۡمَۃٍ مِّنۡہُ وَفَضۡلٍ وَّیَھۡدِیۡھِمۡ اِلَیۡہِ صِرَاطًا مُّسۡتَقِیۡمًا (سورۂ نساء)۔ترجمہ:اے انسانو! تحقیق کہ تمہارے پاس دلیل و برہان آچکی ہے تمہارے رب کی طرف سے اور اتارا ہم نے تمہاری طرف کھلا نور، سو وہ لوگ جو اللہ پاک پر ایمان ویقین رکھتے ہیں اور ان کو مضبوط پکڑے ہوئے ہیں تو اللہ پاک ان کو اپنی خاص رحمت میں داخل کریں گے اور فضل سے نوازیں گے اور ان کو اپنی طرف سیدھی راہ پر پہنچاویں گے۔

تشریح: حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے فرمایا ہے کہ ''برہان'' سے مراد حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارکہ ہے اور آپ ﷺ کو اس وجہ سے برہان کہا گیا ہے کہ آپ ﷺ اپنے ساتھ معجزات بھی لائے تھے جن سے آپ ﷺ کی سچائی واضح ہوئی تھی، اور نور سے مراد قرآن کریم ہے کیونکہ جس طرح روشنی سے چیزیں نظر آتی ہیں واضح طور پر اس طرح قرآن سے واضح طور پر احکام نظر آتے ہیں، جمہور نے اسی طرح تفسیر فرمائی ہے اور حضرت مجاہدؒ سے مروی ہے کہ برہان سے مراد اسلام ہے، بہرحال جو ان آیات کے مطابق اللہ کے رسول ﷺ اور قرآن کریم کو مان کر چلے گا ان پر پورا ایمان ویقین رکھے گا اور اللہ پاک کے احکام کو مضبوط پکڑے گا اس کو اللہ پاک کی خاص رحت اور فضل عظیم سے حصہ ملے گا اور وہ صراط مستقیم پر گامزن ہوگا، یعنی اعمال صالحہ اختیار کرے گا، صراطِ مستقیم سے مراد دین اسلام ہے اور بعض نے کہا عمل صالح مراد ہے (کذا فی البحر المحیط)۔

نماز کی تیاری کیلئے وضوء کا اہتمام

ارشاد باری تعالیٰ ہے: **یٰۤاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِذَا قُمۡتُمۡ اِلَی الصَّلٰوۃِ فَاغۡسِلُوۡا وُجُوۡھَکُمۡ وَاَیۡدِیَکُمۡ اِلَی الۡمَرَافِقِ وَامۡسَحُوۡا بِرُءُوۡسِکُمۡ وَاَرۡجُلَکُمۡ اِلَی الۡکَعۡبَیۡنِ** (سورہ مائدہ)۔ترجمہ: اے ایمان والو! جب تم نماز کیلئے کھڑے ہونے کا ارادہ کرو تو اپنے چہروں اور ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھویا کرو اور اپنے سر کا مسح کرو اور اپنے پاؤں کو ٹخنے سمیت دھویا کرو۔

تفسیر البحر المحیط ر ص ۴۳۳ رمیں لکھتے ہیں کہ یہ آیت اس واقعہ میں نازل ہوئی جس میں حضرت عائشہؓ حضور ﷺ کے ساتھ ایک غزوہ میں تھیں، جس کو غزوۂ بنی مصطلق کہا جاتا ہے، واپسی میں حضرت عائشہؓ کا ہار گم ہو گیا تھا، حضور ﷺ نے اس کو تلاش کرنے کا حکم فرمایا اسی دوران نماز کا وقت آگیا اور پانی میسر نہ تھا، صحابہ کرامؓ پریشان تھے کہ نماز بلا وضو کیسے پڑھیں گے، پانی بھی نہیں ہے اور وقت نماز بھی ہو گیا، اس موقع پر یہ آیات نازل ہوئی تھیں، ان میں وضوء کا طریقہ بتانے کے بعد تیمّم کا طریقہ بتایا ہے اور جنابت میں طہارت کا طریقہ اور پانی نہ ملنے پر تیمّم کا طریقہ ارشاد ہوا ہے (بخاری شریف، ج:۲رص:۶۶۳) میں پورا واقعہ تفصیل کے ساتھ نقل کیا گیا ہے۔

بہرحال جب ارادہ ہو نماز کیلئے کھڑے ہو جانے کا تو وضوء فرض ہے کیونکہ وضوء کئے بغیر نماز نہیں ہوتی ہے۔ **کما قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا تقبل صلاۃ بغیر طھور**، کسی قسم کی کوئی نماز بلا طہارت کے قبول نہیں ہوتی ہے (رواہ الترمذی وغیرہ) اس لئے جملہ علماء کا اتفاق ہے کہ نماز کی صحت کیلئے وضوء شرط ہے، نیز وضوء کے فرائض بھی اسی آیت کریمہ سے ماخوذ ہیں، یعنی چہرہ دھونا، کہنیوں سمیت ہاتھوں کو دھونا، چوتھائی سر کا مسح اور ٹخنوں سمیت پاؤں دھونا (ہدایہ) ان فرائض کے ساتھ ساتھ تیرہ چیزیں وضوء میں مسنون ہیں۔

(۱) بسم اللہ پڑھنا (۲) گٹوں تک ہاتھوں کو دھونا (۳) کلی کرنا (۴) ناک میں

پانی دینا(۵) مسواک کرنا (۶)ڈاڑھی میں خلال کرنا(۷)انگلیوں کا خلال کرنا (۸)دھوئے جانے والے اعضاء کو تین تین بار دھونا(۹)پورے سر کا مسح کرنا(۱۰)کانوں کا مسح کرنا(۱۱)نیت کرنا(۱۲)ترتیب سے وضوء والے اعضاء دھونا (۱۳)پے در پے اعضاء دھونا اور دو چیزیں وضوء میں مستحب ہیں(۱)داہنی طرف سے شروع کرنا (۲)گردن کا مسح کرنا،اس کے علاوہ بہت سے آداب ہیں جن کا مشائخ نے تذکرہ کیا ہے،ان آیات میں یہ بھی بتایا گیا کہ وضوء کیلئے پانی نہ ملنے کی صورت میں تیمّم کیا جا سکتا ہے،سفر میں ہو یا حضر میں یا بیماری کی حالت میں ہو اور پانی میسر نہ ہو تو تیمّم جائز ہے خواہ حدث اصغر ہو یا اکبر ہو،باری تعالیٰ اپنے بندوں پر سختی کرنا نہیں چاہتے ہیں، دین بہت آسان ہے،اس میں بندوں کے اعذار کی بڑی رعایت رکھی گئی ہے یہ سب اس وجہ سے ہے کہ تم طہارت کا اہتمام کرو اور باری تعالیٰ نے تم پر اپنی نعمتیں مکمل کر دی ہیں تاکہ تم اللہ کا شکر ادا کرو ان کا احسان مانا کرو۔